اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدہ:34)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اخر

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:4)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

## درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے:۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، جس درخت کا پھل اچھا ہو ،لوگ اسے اپنے گھروں میں لگا کر خوش ہوتے ہیں۔اس کی نگرانی کرتے ہیں،اس درخت کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔کوئی بچہ یا جانور نقصان پہنچائے تو اس سے ناراض ہوتے ہیں۔

جس درخت کا پھل کڑوا ہو،جس کے پھلوں میں کیڑے پڑے ہوں،جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوں،لوگ اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتے ، بلکہ اس پیڑ کو ہی کاٹ دیتے ہیں۔

## انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے:

انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے۔جس انسان کے اخلاق اچھے ہوں،لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے،اللہ کے بندوں کے لیے راحت جان بن کر رہے،لوگ اس انسان کے ساتھ رہ کر خوش ہوتے ہیں،اسے اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں،اس کے ساتھ رہنے کی دل میں آرزو اور تمنا کرتے ہیں۔وہ انسان اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر زندگی گزارتا ہے۔اسی طرح جس انسان کے اخلاق اچھے نہ ہوں،لوگ اس کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

اسی لیے دین اسلام نے اچھے اخلاق پر بہت زور دیا ہے۔انسان وہی ہوتا ہے جس میں انسانیت ہو، جو اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر رہے، جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، سکھ پہنچائے، دوسروں کی مصیبت میں کام آئے، دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ رب العزت کی نسبت سے محبّت کرے۔

## حیوانوں سے بھی بدتر انسان:

جو انسان دوسروں کے دل دکھی کرے، جو انسان دوسروں کے لیے وبال جان بن کر رہے، وہ انسان نہیں ، وہ دوسروں کے لیے مصیبت ہے۔وہ حیوان ہے بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف:179)

''یہ تو جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔''

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف:179)

''وہ غفلت میں پڑنے والے ہیں۔''

## حیوانات میں مراتب:

جانور تین طرح کے ہوتے ہیں:

### (ا) مفید اور بے ضرر حیوان:

کچھ جانور ہیں جو اپنی تکلیف برداشت کر لیتے ہیں، مگر دوسرے جانوروں کو تکلیف نہیں دیتے۔جیسے گائے، بھینس اور بکری وغیرہ۔بکری کتنی ہی بھوکی کیوں نہ ہو وہ کسی دوسرے جانور کو نہیں کاٹے گی۔وہ

بھوک سے مر جائے گی، مگر دوسری بکری کو وہ ایذا نہیں دے گی۔ گائے دوسری گائے پر حملہ نہیں کرے گی۔ وہ بھوکی ہوگی مگر بھوک برداشت کر لے گی۔ یہ سب سے بہتر جانور ہیں، جو اپنی راحت کے لیے دوسرے جانوروں کو تکلیف نہیں دیتے۔ تو اپنی تکلیف برداشت کرنی، مگر دوسروں کو دکھ نہ دینا، یہ ان کی صفت ہے۔

(۲) وحشی حیوان:

جانوروں کی ایک دوسری قسم ہے۔ جب ان کو ضرورت ہوتی ہے تو وہ دوسرے جانوروں کو کاٹتے ہیں اور کھا جاتے ہیں، لیکن جب پیٹ بھر جاتا ہے تو ان کو پروا نہیں ہوتی۔ جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ۔ مشہور ہے کہ اگر شیر کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو اس پر چوہا بھی چڑھ کر ناچے تو وہ سویا رہتا ہے۔ تو ضرورت کے وقت وہ کاٹ کھائے گا لیکن جب ضرورت نہ ہو یعنی اس کو بھوک نہ ہو تو اس کو کوئی پروا نہیں کہ کون اس کے قریب ہے اور کون نہیں۔

(۳) موذی حیوان:

ایک جانوروں کی تیسری قسم ہے جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتی ہے، حالانکہ اس میں ان کا اپنا فائدہ کوئی نہیں ہوتا۔ جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ۔ جب بچھو کسی کو کاٹتا ہے تو کون سا اس کو مزہ آتا ہے؟ یا اس کو نیند اچھی آجاتی ہے؟ یا اس کی بھوک اتر جاتی ہے؟ نہیں! وہ عادتاً دوسروں کو کاٹتا ہے اور اس کا اپنا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ بچھو کی عادت ہے کہ جس چیز کے ساتھ لگے گا اس کو اپنا ڈنگ لگائے گا۔ یہ جانوروں میں سب سے بدترین قسم ہے۔

جانوروں سے بدتر انسان:

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ(الاعراف:179)

''وہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں''

تو اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان حیوان بن جاتا ہے تو یہ سب سے بدترین قسم کے جانوروں کی مانند بن جاتا ہے۔ یہ سانپ اور بچھو جیسا بن جاتا ہے۔ اس کا اپنا فائدہ بھی کوئی نہیں ہوتا، مگر یہ دوسرے انسانوں کا دل دکھاتا ہے۔ اللہ کے بندوں کو دکھ پہنچا رہا ہوتا ہے، ان کے راستے میں روڑے اٹکا رہا ہوتا ہے۔ اپنے سے نیچے والوں کو، اوپر والوں کو دائیں بائیں والوں کو مصیبت میں ڈالا ہوا ہوتا ہے۔

اسی لیے آپ نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا ہوگا کہ میں نے اس کا دل جلایا۔ عورتیں آپس میں بات کر رہی ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی بات کہی کہ جلتی رہی ہوگی۔ ایسے لوگ دوسروں کو دکھ پہنچاتے ہیں اور پھر اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ

''جانور ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔''

## دین میں حسنِ اِخلاق کی تعلیم:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا۔ مرتبہ انسانیت پر فائز فرمایا، اس لیے ہمیں اچھے اخلاق کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ نبی ﷺ کی طرف سے بھی یہی پیغام ہے کہ ہم اچھے اخلاق کے ساتھ زندگی گزاریں۔ دوسروں کے لیے نفع رسانی کا کام کریں۔ دوسروں کا فائدہ سوچیں۔ جتنا ہم دوسروں کا فائدہ سوچیں گے، اتنا اللہ تعالیٰ ہم سے بھلا کریں گے۔

دین اسلام نے اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے۔ نبی علیہ السّلام کی یہ شان بتائی کہ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:4)

''اے محبوب ﷺ آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر پائے گئے۔''

نبی علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے اخلاقِ عظیم عطا کیے تھے۔قرآن پاک کے اس فرمان کی تفصیل کو سمجھ لیجیے، یہ فرمان اس لیے ذہن میں آیا ہے کہ یہ طلباء موجود ہیں، یہ قرآن کے حافظ بنیں گے اور دین کے عالم بنیں گے،اس لیے یہ بات شروع سے ہی ان کے ذہن میں بٹھانی چاہیے کہ:

انسانیت کس چیز کا نام ہے۔

علم کیا چیز ہے؟ الفاظ کے رٹ لینے کا اور زیادہ چیزوں کے جان لینے کا نام علم نہیں۔

''علم نام ہے انسان کے اچھے اخلاق اور کردار کا۔''

اگر یہ اخلاق و کردار ہم بنا لیں گے تو ہم اچھے انسان بن جائیں گے۔اور اگر نہ بنا سکے تو پھر یہ الفاظ ہمارے کام نہیں آئیں گے،لہٰذا بچوں کی اس طرف توجہ دلانی ضروری ہے کہ اللہ رب العزت کو اچھے اخلاق کتنے پسند ہیں۔

اخلاق کے تین درجات:

اخلاق کے تین درجے اور مرتبے ہیں:

(۱) اخلاق حسنہ یا اخلاق عالیہ

(۲) اخلاقِ کریمانہ

(۳) اخلاق عظیمہ

## (۱) اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم فرمایا:

**یا خلیل احسن خلقکم ولومع الکفار**

''اے میرے خلیل! اپنے اخلاق کو اچھا بنا لیجیے۔ اگر چہ کفار کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں۔''

تو اچھے اخلاق کا ہونا، ان کو اخلاقِ حسنہ کہتے ہیں۔ اخلاق کے اس پہلے مرتبے کو ''اخلاقِ عالیہ'' بھی کہتے ہیں۔ اور ان اخلاق کا حکم قومِ یہود کو کیا گیا۔ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اندر اخلاق عالیہ پیدا کریں۔

یہ اخلاقِ حسنہ یا اخلاقِ عالیہ کیا ہوتے ہیں؟ اخلاقِ عالیہ یہ ہوتے ہیں کہ زیادتی کسی کے ساتھ نہ کرو۔ ہاں! اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کرے اور تمہیں دکھ پہنچائے اور تم بدلہ لینا چاہو، تو تم اتنا بدلہ لے سکتے ہو جتنا تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی۔ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ اس سے زیادہ جو کرے گا تو وہ ظلم ہوگا۔ یعنی دوسروں کے ساتھ عدل کا سلوک رکھے، برابری کا سلوک کرے۔

### موسوی اخلاق:

اخلاق حسنہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ آدمی دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اگر کوئی بندہ اس کے ساتھ زیادتی کرے، تو جتنا اس نے زیادتی کی، اگر یہ چاہے تو اس سے اتنا بدلہ لے سکتا ہے۔ چنانچہ تورات میں یہی حکم دیا گیا:

اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ (المآئدہ:45)

جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، زبان کے بدلے زبان۔

تو یہ تورات کا اصول تھا۔قوم یہود کو اللہ نے ان اخلاق کی تعلیم دی کہ تم صرف اتنا بدلہ لے سکتے ہو جتنا تم پر زیادتی ہوئی، اس سے زیادہ نہیں۔

آج کل جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔یہ غلط ہے۔ایسا نہیں کر سکتے۔یہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی جو Logic (منطق) ہے، یہ بتا رہی ہے کہ آج ہمارے اندر اخلاق نہیں ہیں۔اس سے بڑی بداخلاقی کیا ہوسکتی ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں.....انتقام! اور اس انتقام کی ہوس نے آج لوگوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔حالت یہ ہوتی ہے کہ کسی کا اچھا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ان کے بس میں ہو تو یہ کسی کو زندہ نہ دیکھ سکیں۔جیسے کافر نبی علیہ السّلام کو:

وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (القلم: 51)

''وہ چاہتے تھے کہ اپنی نگاہوں سے نبی علیہ السّلام کو گرا دیں۔''

ایسے ہوتا ہے، ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں۔کیوں؟ اخلاق نہیں ہوتے۔

(۲) اخلاقِ کریمانہ:

قوم نصاریٰ کو اللہ نے اس سے بھی بلند درجے کا خلق عطا فرمایا تھا، اس کو اخلاق کریمانہ کہتے ہیں۔اخلاق کریمانہ کا کیا مطلب؟ اگر کوئی آپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو آپ بھی اچھا سلوک کرو۔اگر کوئی برا سلوک کرتا ہے تو آپ اس کو معاف کر دو۔اسی لیے عیسائی اپنی محفلوں میں مزے لے لے کر دہراتے ہیں کہ اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر تھپّڑ مارے تو تم اللہ کے لیے معاف کر دو اور اپنا دوسرا رخسار بھی پیش کر دو۔تو معاف کر دینے کو اخلاقِ کریمانہ کہتے ہیں۔یہ کریموں کا کام ہوتا ہے کہ وہ معاف کر دیتے

ہیں۔اگر کوئی جہالت کی بات کرتا ہے تو آپ اس کے ساتھ جواب میں جہالت کی بات نہ کریں۔
سیدنا عیسیٰؑ کھڑے تھے۔ایک آدمی نے آکر الٹی سیدھی باتیں کرنا شروع کر دیں۔آپ نے اس کو دعائیں دینی شروع کر دیں۔وہ آپ کو گالی دے رہا تھا اور آپ آگے سے دعائیں دیتے جا رہے تھے۔ایک آدمی نے دیکھا تو کہنے لگا۔عجیب بات ہے! یہ کیا معاملہ ہوا؟ کہ وہ آپ کو گالیاں بک رہا ہے اور آپ آگے سے دعائیں دے رہے ہیں۔آپ نے فرمایا:

كُلُّ اَنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ

ہر برتن کے اندر سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔
اس کے اندر جو کچھ تھا، وہ نکل رہا ہے، اور میرے اندر جو کچھ ہے وہ نکل رہا ہے۔یعنی جس کے اندر شر ہوگا تو شر ہی باہر نکلے گا اور کسی کے اندر خیر ہوگی تو خیر ہی باہر نکلے گی۔

## ہماری حالتِ زار:

آج ہماری حالت کیا ہے؟ ذرا غصہ آئے، ہماری حقیقت کھل جاتی ہے۔پھر ہمیں یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ ہمارے سر پر عمامہ یا ٹوپی ہے، چہرے پر سنت سجائی ہوئی ہے۔بس گالیاں بکنا شروع کر دیتے ہیں۔بیوی کو گالیاں بکتے ہیں، بچوں کو گالیاں بکتے ہیں۔حیران ہوتے ہیں کہ اس وضع قطع کے ساتھ بھی بات کرنے کی تمیز نہیں۔ویسے ہم دین دار بنے پھرتے ہیں، لوگوں کو دین کی دعوتیں دے رہے ہوتے ہیں، بلا رہے ہوتے ہیں۔محفلِ ذکر میں بیٹھ کر اونچی اونچی تسبیح پڑھ رہے ہوتے ہیں۔اب اس تسبیح کا کسبی بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اوپر سے لا الٰہ اور اندر سے کالی بلا! تو کیا فائدہ اس کا؟ اصل چیز تو یہ دیکھنی ہے کہ اخلاق ہیں یا نہیں۔ہم نے انسانیت بھی سیکھی ہے یا نہیں سیکھی۔تو ہم انسان بن کر جینا

سیکھیں۔اس سے اللہ رب العزت کے ہاں بھی ہمارا مرتبہ بڑھے گا اور اللہ رب العزت ہمیں دنیا اور آخرت میں عزتیں عطا فرمائیں گے۔

## شریعت کا حسن:

اللہ رب العزت نے دونوں اخلاق کی اجازت دی، دونوں اصول دین اسلام میں قائم رکھے۔قوم یہود والے اخلاق عالیہ بھی اور قوم نصاریٰ والے اخلاق کریمانہ بھی۔کیوں؟اس لیے کہ اسلام قیامت تک کے لیے دین ہے۔نرم طبیعت کے لوگ معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں،تو وہ اس اصول پر عمل کرلیں۔یعنی اخلاق کریمانہ کے مطابق۔کچھ طبیعت میں بہادر اور دلیر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، وہ کسی کی زیادتی برداشت نہیں کرسکتے۔ان کو کہا کہ اچھا بھئی!تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اتنا لو جتنا تم پر زیادتی کی گئی۔

شریعت کا حسن دیکھئے!اگر دلیر بندے کو کہتے کہ تم معاف کردو۔وہ جواب دیتا اسلام کو سات سلام!جو ہمیں بزدلی سکھاتا ہے۔اگر نرم طبیعت والے بندے کو کہتے کہ اس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔اب لازمی اس سے بدلہ لو اور جا کر اس کو تھپّڑ لگا کے آؤ تو نرم طبیعت کا بندہ کہتا کہ اسلام کو سات سلام، یہ تو ہمیں جھگڑے سکھاتا ہے۔تو یہ شریعت کا حسن ہے۔چونکہ یہ عالمی دین تھا۔قیامت تک کے لیے دین تھا۔اس لیے پروردگار نے دونوں اصول باقی رکھے کہ جو بندہ جس حال میں ہو اپنے لیے بہتر اصول پسند کرلے۔

## (۳) اخلاقِ عظیمہ:

امتِ محمدیہ کو اللہ رب العزت نے اس سے بھی ایک بلند مرتبے کا خُلق عطا فرمایا۔جس کو اخلاقِ عظیمہ کہتے ہیں۔اخلاقِ عالیہ اور اخلاقِ کریمہ سے بھی اونچا اخلاق۔اخلاقِ عظیمہ کیا ہیں؟

اخلاقِ عظیمہ یہ ہیں کہ اگر کوئی آدمی آپ کے ساتھ برا سلوک کرے، تو فقط یہی نہیں کہ آپ اس سے بدلہ نہ لیں اور آپ اس کو معاف کر دیں، بلکہ آپ الٹا اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کریں۔ بھلائی والا سلوک کریں۔ فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدہ:34)

لوگ تمہارے ساتھ برائی کا معاملہ کریں تو تم الٹا ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ بروں سے بھی اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ اس کو اخلاق عظیمہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السّلام کی شان بیان فرمائی کہ:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:4)

''اے محبوب! آپ اخلاق کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر پائے گئے۔''

اخلاق عظیمہ کی مثال:

میدانِ احد میں صحابہ کرامؓ سے ایک اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔ وہ سمجھے کہ ہمارے ڈیوٹی لگی ہے اس وقت تک جب تک کہ کافر بھاگ نہیں جاتے، اب وہ بھاگ گئے ہیں۔ سب لوگ مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں، تو ہم بھی ان کی مدد کریں، تو وہ پہاڑی سے نیچے آ گئے، جس کی وجہ سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، پیچھے سے آئے اور پھر مسلمانوں کے ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ بہر حال اس پر نبی علیہ السّلام کی طبیعت بڑی رنجیدہ ہوئی۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بڑا رنج تھا۔ طبیعت بہت غم زدہ تھی۔ اس غمزدہ طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا ارشاد فرمایا؟ اے محبوب!

فَاعْفُ عَنْهُمْ (ال عمرن:159) ان سے جو اجتہادی غلطی ہو گئی ہے، سمجھنے میں غلطی ہو گئی، ان کی نیت بر

ی نہیں تھی، سمجھ کی غلطی تھی۔ وہ یہ سمجھے کہ جب دشمن پسپا ہو گئے، تو بس اب کام ختم ہو گیا تو اب آپ کیا کیجیے! ان صحابہ کرامؓ کو معاف کر دیجیے۔ اور فقط معاف ہی نہ کیجیے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (ال عمرن:159) ایک قدم اور آگے ان کو معاف بھی کر دیجیے اور پھر ان کی طرف سے استغفار بھی کیجیے کہ اللہ بھی معاف کر دے۔ اور یہی نہیں کہ صرف معاف ہی کرنا ہے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (ال عمرن:159)

''اے میرے محبوب! ان کو اپنے مشورے میں شامل بھی فرمائیے۔''

اب بتائیے! تین قدم آگے بتائے۔ اس کو اخلاق عظیمہ کہتے ہیں۔

## اخلاق عظیمہ کی تعلیم:

عام مومن کو بھی اخلاق عظیمہ کی تعلیم دی، لیکن اگر حکم دے دیتے تو پھر یہ اخلاق ہمارے اوپر فرض ہو جاتا۔ پھر Choice (اختیار) والی بات نہ رہتی۔ اس لیے فرمایا کہ ہم پسند کرتے ہیں..... کن کو؟ ایسے ایمان والوں کو جن کے اندر یہ خوبیاں ہوں:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (ال عمرن:134) غصے کو پی جانے والے۔

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (ال عمرن:134) اللہ کے بندوں کو معاف کر دینے والے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (ال عمرن:134) اور اللہ نیکوکاروں کو محبّت فرماتے ہیں''

یعنی تم نے غصے کو پینا ہے، ان کو معاف بھی کرنا ہے، اور پھر ان کے ساتھ احسان کا سلوک بھی کرنا ہے۔ تو تین قدم اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں گے۔

یہ ہیں اخلاق عظیمہ:

چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مہمان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ باندی کو حکم دیا کہ مہمان کے لیے کچھ لاؤ۔ گھر میں صرف شوربہ تھا۔ اس نے شوربہ گرم کیا اور پیالے میں لے کر آرہی تھی۔ اللہ کی بندی دیکھ کہیں رہی تھی اور قدم کہیں اٹھا رہی تھی۔ جب دروازے میں داخل ہونے لگی تو پاؤں جو اٹکا اور پیالہ گر گیا اور گرم گرم شوربہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جسم کے اوپر گرا۔ اب جب ابلتا ہوا سوپ جسم پر گرے تو کیا ہوتا ہے؟ کتنا غصہ آتا ہے! سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کے اوپر جلال کے آثار ظاہر ہوئے، مگر وہ خادمہ بھی اس ہی گھر کی تربیت یافتہ تھی۔ اور ان کے اخلاق عظیمہ کو جانتی تھی۔ جیسے ہی اس نے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو اس نے فوراً قرآن کی آیت پڑھی:

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (ال عمرن:134)

''غصے کو پی جانے والے''

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے غصہ کو برداشت کرلیا۔ جب اس نے دیکھا کہ غصہ ختم ہو گیا تو پڑھنے لگی:

وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (ال عمرن:134)

''انسانوں کو معاف کرنے والے۔''

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا کہ چل میں نے تیری غلطی معاف کی۔ اس نے آگے پڑھا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ال عمرن:134)

''اللہ احسان کرنے والوں سے محبّت کرتے ہیں۔''

فرمانے لگے: چل میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کیا۔ یہ ہیں اخلاق عظیمہ

برے سے بھی اچھا سلوک:

بدلہ لینا تو کجا، صرف معاف ہی نہیں کرنا، بلکہ برے سے بھی اچھا سلوک کرنا ہے۔ حکم تو یہ دیا گیا کہ جو ہمارے ساتھ جتنا برا سلوک کرے ہم اس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کریں۔ ارشاد فرمایا:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ

''جو تجھ سے توڑے، تو اس سے جوڑ۔''

وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَكَ

''جو تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔''

وَ اَحْسِن اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ

''اور تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے۔''

''محترم جماعت! اچھوں سے تو ساری دنیا اچھا سلوک کرتی ہے، مزہ تو یہ ہوتا ہے کہ بروں سے اچھا سلوک کیا جائے۔''

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اپنا موازنہ کریں!

لیکن آج اگر ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں کہ ہم کن اخلاق کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں؟ تو لگے گا کہ تینوں درجوں میں سے ہمیں ایک درجہ بھی حاصل نہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ حاصل ہونے کی بات تو دور، جو سب سے چھوٹا درجہ ہے، وہ بھی حاصل نہیں۔ کیونکہ ہم تو ہر بندے کو کہتے ہیں کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر

سے دیں گے۔ یہ بات تو تینوں درجوں میں سے کسی درجہ میں بھی نہیں آتی۔ ہم تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر انتقام کے عادی بن جاتے ہیں۔ دل کے اندر کینہ رکھ لیتے ہیں۔ سینہ تو کینہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور پھر سوچتے ہیں کہ عبادات میں لذت نہیں، تہجّد کی توفیق حاصل نہیں، دعائیں قبول نہیں ہوتیں، دل کو سکون نہیں۔ جب دل میں کینہ ہو تو سکون کیسے آئے گا؟

## کینہ پروری کا نتیجہ:

کینہ کسے کہتے ہیں؟ کینہ کہتے ہیں کہ کسی سے رنجش ہوئی اور اس کو دل میں رکھ لیا۔ اب اس کا برا چاہا، برا سوچا، برا مانگا، اس کے بارے میں بری تمنا دل میں رکھ لی۔ اس کو کینہ کہتے ہیں! اور آج ہر دل میں کسی نہ کسی کے بارے میں کینہ موجود ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ بھائی کے دل میں بھائی کے بارے میں کینہ موجود، بہن بھائی کے دل میں کینہ موجود۔ ایک دوسرے کے گھر کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتے، اور کہنے کو ہم سب مسلمان ہیں۔

یاد رکھیے! احادیث میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت لیلۃ القدر میں سب گناہ گاروں کی بخشش کر دیتے ہیں مگر چند گناہوں کی بخشش اس رات بھی نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک وہ بندہ ہے جس کے دل میں مسلمانوں کے بارے میں کینہ موجود ہو۔ تو جس کے دل میں کینہ ہو اس کی لیلۃ القدر میں بھی بخشش نہیں ہوتی۔ کیا ہم نے کبھی اس طرف سوچا کہ ہم اپنے سینے کو بے کینہ کر دیں۔ کینے کو اپنے دل سے نکال دیں۔ یہ سنت بھی ہے۔

## سینہ بے کینہ کا انعام:

نبی علیہ السّلام نے ایک صحابی کو آتے دیکھا تو فرمایا: یہ جنتی ہے، جنت کی بشارت تو سب کے لیے تھی لیکن by name (نام لے کر) یوں کسی کو Pin point (نشاندہی) کر کے کہنا کہ یہ جنتی ہے، بڑے

اعزاز کی بات تھی۔ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ محفل میں موجود تھے۔فرمانے لگے کہ میں نے دل میں سوچا کہ اب میں ان کے ساتھ دوستی لگاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ کون سا ایسا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے نبی علیہ السّلام نے ان کو نام لے کر جنت کی بشارت دی۔

چنانچہ انہوں نے ان سے کہا کہ بھئی! میں آپ کے ہاں تین دن کے لیے مہمان رہنا چاہتا ہوں۔انہوں نے کہا، بہت اچھا۔ان کے دن رات کے معمولات دیکھے۔تین دن کے بعد کہنے لگے: بھئی! میں تو اس لیے آیا تھا کہ آپ کا کوئی عمل دیکھوں، جو دوسروں سے بڑھ کر ہو، مجھے تو کوئی ایسا عمل نظر نہیں آیا جو دوسرے صحابہ نہ کرتے ہوں۔آپ کے اعمال بھی ویسے ہی ہیں، کوئی انوکھی چیز نظر نہیں آئی۔مگر یہ کیا وجہ ہے کہ نبی علیہ السّلام نے آپ کا نام لے کر فرمایا ہے کہ یہ جنتی ہے؟انہوں نے جواب دیا کہ دیکھیں! میرے اندر کوئی اور عمل تو نہیں جو دوسروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہو، مگر ایک چیز میرے اندر ضرور موجود ہے۔انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ کہنے لگے کہ وہ عمل یہ ہے کہ جب میں رات کو سونے لگتا ہوں، میں ہمیشہ نیت کر کے سوتا ہوں کہ جن لوگوں نے مجھے دکھ دیا، تکلیف پہنچائی اور میرے دل میں ان کے بارے میں غصہ ہو، میں نے ان سب کو اللہ کے لیے معاف کر دیا۔میں اپنے سینے سے کینے کو ختم کر کے سوتا ہوں۔شاید میرا یہ عمل اللہ کو پسند آ گیا ہو اور پروردگار نے مجھے دنیا میں جنت کی بشارت دے دی۔

## کرو مہربانی تم اہل زمیں پر:

ہم بھی بیٹھ کر سوچیں کہ ہم بھی اللہ کے لیے معاف کرنا سیکھیں۔حضرت اقدس تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی بیوی سے غلطی ہوگئی، بڑی غلطی تھی، اگر وہ چاہتا تو طلاق دے سکتا تھا، چاہتا تو اس کو مارتا، اس کو جو مرضی سزا دیتا، حق بجانب تھا۔وہ سوچنے لگا کہ اب میں اگر اس کو سزا دوں گا اور طلاق دوں گا تو یہ پریشان ہو جائے گی۔چلو اللہ کی بندی ہے، غلطی کر بیٹھی، میں اس کو معاف کر دیتا

ہوں۔فرماتے ہیں کہ کافی عرصہ گزر گیا اور وہ آدمی فوت ہو گیا۔کسی نے دیکھا کہ جنت کی سیر کر رہا ہے۔اس نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا کہ بس اللہ رب العزت کے حضور پیشی ہوئی اور پروردگار نے معاف کر دیا۔اس نے پوچھا تیرا کون سا عمل پسند آیا؟ کہنے لگا اور تو کوئی ایسا عمل تھا نہیں۔پروردگار نے فرمایا کہ تم نے اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا.....چل! میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہربان ہو گا عرشِ بریں پر

کر بھلا، ہو بھلا:

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص دوسروں کو جلدی معاف کرنے والا ہوگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جلدی معاف فرما دیں گے۔''

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو آدمی دوسروں کے عذر کو جلدی قبول کرنے والا ہوگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عذروں کو جلدی قبول فرمالیں گے۔''

کتنا آسان ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو اللہ کے لیے معاف کرتے رہیں، قیامت کے دن اللہ رب العزت ہم پر مہربانی فرما دیں گے۔

زادِ راہ کی فکر:

ہمارے اسلاف کیا کرتے تھے؟

وہ آخرت کے لیے عمل جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ان کو پتہ تھا کہ اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔چنانچہ ایک

بزرگ تھے، وہ بقالہ کی دوکان کرتے تھے۔ان کے پاس لوگ کھوٹے سکے لے کر آتے۔ پہلے وقتوں میں چاندی کے روپے پیسے ہوتے تھے، جب وہ زیادہ ہاتھوں میں رہتے تو اوپر سے گھس جاتے تھے، پڑھے نہیں جاسکتے تھے، ان کو کھوٹے سکے کہتے تھے۔ان بزرگوں کے پاس لوگ کھوٹے سکے لے کر آتے، وہ ان کو پہچان لیتے اور رکھ لیتے، سودا دے دیتے۔ساری زندگی ان کا یہی معمول رہا۔جب ان کا آخری وقت آیا اور انہیں محسوس ہوا کہ بس میرے جانے کا وقت ہے، تو انہوں نے ان کھوٹے سکوں کا تھیلا سامنے رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا مانگی:

''اللہ! میں ساری زندگی تیرے بندوں سے کھوٹے پیسے قبول کرتا رہا، تو بھی میرے کھوٹے عملوں کو قبول فرمالے۔''

کیا ہم نے بھی قیامت کے دن کی تیاری اس طرح سے کی؟ ہم اگر اس طرح سے دوسروں کی غلطیاں معاف کرنا سیکھیں گے تو اس کے بدلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادیں گے.....دل بڑا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اتنا چھوٹا دل کر لینا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا شروع کر دینا، جھگڑا شروع کر دینا، ایک دوسرے کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا شروع کر دینا، یہ مومن کا شیوہ ہرگز نہیں ہوتا۔لیکن ہم تو دوسروں کی بال برابر بھی غلطی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے بڑے بڑے کرتوتوں کو معاف کر دے گا!

نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

''جب تو رات کو سویا کرتے تو اپنے سینے سے کینے کو ختم کر دیا کر، یہ میری سنت ہے۔اور جو میری سنت پر عمل کرے گا، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''

تو کیا ہم نبی علیہ السّلام کی سنت پر عمل کرتے ہیں؟

کبھی ہم نے رات کو سوتے ہوئے یہ سوچا کہ ہم جن لوگوں کے بارے میں دل میں غصہ رکھتے ہیں ہم انہیں اللہ کے لیے معاف کر دیں۔ اور جب اللہ کے لیے معاف کریں گے تو اس کے بدلے میں اللہ رب العزت ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔

## مومن کامل:

ہمیں اپنی زندگی کو سنوارنے کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہمارے اخلاق اچھے نہیں ہوں گے اللہ کے ہاں ہماری کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جس انسان کے اخلاق اچھے ہوں گے، اللہ کے ہاں وہ انسان قیمتی ہوگا۔ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا

''ایمان والوں میں سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔''

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

''ایمان لانے کے بعد مومن کو جو سب سے بڑی نعمت نصیب ہوتی ہے وہ اچھے اخلاق ہیں۔''

## انسانیت کا معیار:

دینِ اسلام نے اچھے اور اعلیٰ اخلاق کو بڑا رتبہ دیا ہے۔ انسانیت نام ہی اسی کا ہے، انسان کا لفظ بعض علماء کے نزدیک ''اُنس'' سے بنا ہے اور اُنس محبّت کو کہتے ہیں۔ تو جس انسان میں محبّت و پیار ہو، الفت ہو، سینہ کینہ سے بھرا ہوا نہ ہو، عداوتوں اور دشمنیوں سے بھرا ہوا نہ ہو، نفرتیں تقسیم نہ کرے، بلکہ محبّت و پیار کی زندگی گزارے، اس انسان میں انسانیت زیادہ ہے، اور یقیناً اللہ رب العزت کے نزدیک بھی اس کی

قیمت زیادہ ہے۔

''جس طرح درخت کی قیمت اس کے پھل کے حساب سے ہوتی ہے، انسان کی قیمت اس کے اخلاق کے حساب سے ہوتی ہے۔''

انسان کی اصل متاع، اس کا کردار ہے۔ یہ کردار دیکھنے میں بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کردار کے ذریعے انسان دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز خرید سکتا ہے۔

''دنیا تلوار کا مقابلہ کر سکتی ہے، کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

اخلاق کی تلوار:

نبی علیہ السّلام نے مدینہ اخلاق کے زور پر فتح کیا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ جی! اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے! اس عاجز نے پوچھا وہ کیسے؟

کہنے لگا چند بہادر اور جنگ جو قسم کے لوگ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السّلام کے گرد جمع ہو گئے تھے، انہوں نے قوت بازو کے ذریعے پوری دنیا میں اسلام پھیلا دیا..... اس عاجز نے اس سے Counter Question (سوال کے جواب میں سوال) کیا کہ بتاؤ کہ ان چند جنگ جو اور بہادر لوگوں کو کس تلوار نے نبی علیہ السّلام کے گرد اکٹھا کیا تھا؟ جب یہ سوال کیا تو وہ سوچنے لگا اور کہا کہ وہ تو مسلمانوں کے نبی علیہ السّلام کے اچھے اخلاق کی وجہ سے قریب ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ یہی اچھے اخلاق کی تلوار تھی جس نے پوری دنیا کو فتح کر لیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

فُتِحَتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْاِخْلَاقِ

''مدینہ اخلاق سے فتح ہوا''

''نبی علیہ السّلام نے اخلاق کی تلوار کے ذریعے مدینہ فتح کیا۔''

## نبی رحمت ﷺ کے اخلاقِ عظیم کی جھلکیاں:

نبی علیہ السّلام کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اچھے اخلاق کے ذریعے لوگوں کے دل جیت لیتے تھے۔

## دیہاتیوں کے دل کیسے جیتے:

ایک شخص دیہات سے آئے، مسلمان ہوئے، محفل میں بیٹھے۔ کافی دیر بیٹھنے کے بعد جب مجلس برخاست ہوئی تو ان کو پیشاب کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ جو اٹھے اور مسجد نبوی کے ساتھ خالی جگہ پر، جو کہ مسجد ہی کا حصہ تھی، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ عام طور پر باہر دیہاتوں میں لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے دیکھا تو انہوں نے اس کو منع کرنے کی کوشش کی مگر نبی علیہ السّلام نے ان کو منع کر دیا کہ اسے کچھ نہ کہو۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو نبی علیہ السّلام نے ان کو بلایا اور محبّت کے ساتھ پاس بٹھا کر فرمایا: دیکھو! مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم ہیں، بڑے ہیں، اس کے گھر کو پاک رکھنا چاہیے اور گندگی سے بچانا چاہیے۔

اتنے پیارے انداز سے سمجھایا کہ اس کے خانے میں بات بیٹھ گئی۔ وہ صحابیؓ بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی لیکن انہوں نے نہ مجھے طعنہ دیا، نہ شرمندہ کیا اور نہ انہوں نے مجھے ڈانٹا بلکہ مجھے اچھے اخلاق سے بات سمجھائی۔ جب وہ جانے لگے تو نبی علیہ السّلام نے ان کو کچھ کپڑے ہدیہ اور تحفہ میں دے دیے۔ جب نبی علیہ السّلام نے دیکھا کہ یہ پیدل جا رہے ہیں تو آپ کے پاس ایک سواری تھی، وہ سواری بھی آپ ﷺ نے اسے ہدیہ میں دے دی۔ جب انہیں کپڑے بھی مل گئے اور سواری بھی مل گئی تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے کپڑے پہن لیے اور سواری پر بیٹھ گئے اور

اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب وہ اپنی بستی میں داخل ہونے لگے تو دور سے ہی اونچی اونچی پکارنے لگے، اے میرے چچا! اے میرے ماموں! اے فلاں، اے فلاں، لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اتنی اونچی اونچی چیخ رہا ہے۔ کہنے لگا کہ میں ایک ایسے معلّم کو دیکھ کر آیا ہوں کہ میں نے تو زندگی میں کبھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی۔ میں نے اتنی بڑی غلطی کی لیکن انہوں نے میرے ساتھ اتنا پیار کا سلوک کیا..... مجھے معاف بھی کر دیا، کپڑے بھی دیے اور سواری بھی دی۔ دیکھو! کیسے اخلاق تھے ان کے! جب بستی والوں نے یہ سنا تو کہنے لگے: اچھا! اگر اتنے اچھے اخلاق والے ہیں تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ اس بستی سے تین سو آدمی ان کے ساتھ نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے آ کر کلمہ پڑھ لیا۔ یوں نبی علیہ السّلام نے دل جیتے تھے.....اور یوں اسلام پھیلا۔

## دشمنوں کے دل کیسے جیتے:

آپ ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ کا یہ عالم کہ آپ ہجرت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ روانگی سے پہلے میں بیت اللہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر دو رکعت نفل پڑھوں اور اللہ رب العزت کے سامنے دعا کروں، سجدہ ریز ہو جاؤں۔ آپ نے اس بندے کو بلایا جس کا نام عثمان تھا اور وہ بنی شیبہ میں سے تھا، اس کے پاس بیت اللہ شریف کی چابی ہوتی تھی۔ اس سے کہا کہ بھئی! ذرا بیت اللہ کا دروازہ کھول دو تا کہ میں دو رکعت پڑھ لوں۔ اس نے آگے سے کہا کہ نہیں کھولتا، وہ مسلمان نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: بھئی! کھول دو۔ کہنے لگا کہ نہیں کھولنا۔ آپ ﷺ کے دل کی بڑی تمنا تھی لیکن اس نے پوری نہ ہونے دی۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ نہیں مان رہا، اس وقت آپ نے فرمایا: عثمان! ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جیسے تم چابی ہاتھ میں لے کر اس وقت کھڑے ہو، ایسے میں چابی ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوں گا۔ اور جیسے میں تم سے مانگ رہا ہوں، ایسے ہی تم میرے سامنے خالی ہاتھ کھڑے ہو گے۔ سوچو! اس

وقت کیا ہوگا؟ جب آپ نے یوں فرمایا تو اس کو غصہ آ گیا، وہ آگے سے بکواس کرنے لگا کہ شیخ چلی کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں چابی آئے۔اس نے بہت ادھر ادھر کی باتیں کیں۔محبوب ﷺ نے جدا ہونا تھا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی تھی۔آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھ کر فرمایا:

''مکہ! دل نہیں چاہتا کہ تجھے چھوڑ دوں، مگر تیرے شہر کے بسنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے، اس لیے میں یہاں سے ہجرت کر کے جا رہا ہوں''

آپ ﷺ نے خاموشی سے ہجرت فرمائی۔جب فتح مکہ کا وقت آیا تو نبی علیہ السّلام فاتح بن کر داخل ہوئے۔اس وقت مکہ کے لوگوں کی حالت عجیب تھی۔سب عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ آج مسلمان ہم سے گن گن کر بدلہ لیں گے۔بعض یہ سمجھتی تھیں کہ آج پورے مکہ میں کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہے گی، مال محفوظ نہیں رہے گا، جان محفوظ نہیں رہے گی۔مسلمانوں کو ہم نے اتنا تنگ کیا تھا کہ یہ ہم سے گن گن کر بدلہ لیں گے۔اس لیے وہ ڈر سے گھروں میں چھپی ہوئی تھیں۔آدھی رات کا وقت ہو گیا اور کوئی مسلمان کسی گھر میں داخل نہیں ہوا۔اس پر عورتیں بڑی حیران ہوئیں۔انہوں نے مردوں سے کہا جائیں پتہ کریں، مسلمان ہیں کہاں؟ یہ کوئی Planning تو نہیں کر رہے۔جب مردوں نے آ کر دیکھا کہ مسلمان حرم کے اندر ہیں، کوئی سجدہ کر رہا ہے، کوئی بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر رو رہا ہے، کوئی مقام ابراہیم پر سجدے میں ہے، سب اللہ رب العزت کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔وہ بڑے حیران ہوئے۔

چنانچہ جب اگلا دن ہوا تو نبی علیہ السّلام نے عثمان کو بلایا، وہ چابی لے کر آیا۔نبی علیہ السّلام نے اس سے چابی لے لی، بیت اللہ کا دروازہ کھولا، بتوں کو توڑا، صاف کر دیا اور پھر آپ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔جب باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پھر بیت اللہ کو تالہ لگا دیا۔جب آپ ﷺ نے بیت اللہ

کو تالہ لگایا تو اس وقت وہاں پر عجیب منظر تھا، کیونکہ مکہ مکرمہ والے سمجھ رہے تھے کہ وہ بڑا خوش نصیب ہو گا جس کے ہاتھ میں آج آپ چابی دیں گے۔قریش کے لوگ بھی قریب ہو گئے، جو آپ کے خدام تھے وہ بھی قریب ہو گئے۔ ہر صحابی کے دل میں تمنا تھی کہ مجھے بیت اللہ کا چابی بردار بنا دیا جائے۔

جب کوئی فاتح بن کر داخل ہوتا ہے تو وہ دشمن کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ساری دنیا کا دستور یہی ہے، مگر یہ تو ایک نرالا فاتح تھا، جس نے ساری دنیا کو اخلاق کا درس دینا تھا۔چنانچہ نبی علیہ السّلام نے جب تالہ لگا دیا تو اس وقت عثمان آپ کے سامنے تھا۔

آپ نے فرمایا: عثمان! اس وقت کو یاد کرو، جب میں نے تم سے چابی مانگی تھی اور تم نے دینے سے انکار کیا تھا۔دیکھو! آج چابی میرے ہاتھ میں ہے، تم خالی ہاتھ میرے سامنے کھڑے ہو۔اس وقت وہ کہنے لگا کہ جی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جیسا تو نے میرے ساتھ کیا تھا، میں تمہارے ساتھ ویسا نہیں کروں گا۔میں یہ چابی تمہیں واپس دیتا ہوں۔اگرچہ تم کافر ہو مگر بیت اللہ کی چابی کی ذمہ داری میں تمہیں سونپتا ہوں۔جب آپ نے چابی اس کے ہاتھ میں دی تو وہ کہنے لگا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ نے چابی تو دے دی، اب آپ ﷺ میرے دل کا تالہ بھی کھول دیجیے۔چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چابی قیامت تک تمہارے خاندان میں چلتی رہے گی۔

ہم جیسا کوئی ہوتا تو بدلے لیتا کہ تم نے اس وقت یہ کیا تھا اور وہ کیا تھا.....تو دیکھیے! اللہ کے محبوب ﷺ کے کیا اخلاق تھے۔اسی کو اخلاق عظیمیہ کہتے ہیں۔اور یہ اخلاق ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

## دوستوں کے دل کیسے جیتے؟

نبی علیہ السّلام کی مبارک زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ایک مرتبہ آپ ﷺ سفر پر تشریف لے جا

رہے تھ اور ایک صحابی ساتھ تھے۔ایک جگہ رکے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السّلام نے ایک درخت سے دو مسواک بنائے،ان میں سے ایک مسواک سیدھا اور خوب صورت تھا اور ایک ذرا ٹیڑھا تھا۔ نبی علیہ السّلام نے سیدھا مسواک اس صحابی کو دے دیا اور ٹیڑھا مسواک اپنے پاس رکھ لیا۔اس صحابیؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سیدھا مسواک آپ کے پاس ہو۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ سیدھا اور خوبصورت مسواک آپ کے پاس ہو۔دیکھا! کیسی تعلیمات دی ہیں! شریکِ سفر اگر کوئی ہے تو اس کا بھی حق بنا دیا۔اگر زندگی کا چند قدموں کے لیے چلتے ہوئے کوئی شریک بن جاتا ہے تو اس کا حق ہے،تو جو ایک گھر میں پیدا ہوئے،ایک ماں باپ کے نورِ نظر ہیں،ان کا ایک دوسرے پر کتنا حق ہوگا؟

## چھوٹوں کے دل کیسے جیتے؟

نبی علیہ السّلام چھوٹے بچوں کو بھی پیار سے سمجھاتے تھے۔ایک لڑکپن کی عمر کے صحابی تھے جسے ہم (Teen ager) کہتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ مجھے عادت تھی کہ لوگوں کے درختوں سے جو پھل مجھے پسند آتا میں توڑ کے کھا لیا کرتا تھا۔اس وقت کا پھل کھجور ہی تھا۔ایک دفعہ کھجور کے مالک نے مجھے پکڑ کر نبی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ نبی علیہ السّلام نے مجھے پاس بلایا،میرا گمان تھا کہ مجھے ڈانٹ پڑے گی، مجھے مار پڑے گی،لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔مگر نبی علیہ السّلام نے مجھے کچھ کہنے کی بجائے مجھ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم بغیر اجازت لوگوں کے پھل کیوں کھاتے ہو؟ میں نے کہا اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اچھے لگتے ہیں،تو جس درخت کے پھل اچھے لگتے ہیں،وہ میں کھاتا ہوں۔ نبی علیہ السّلام نے پیار سے فرمایا: دیکھو! جو پھل درخت پر لگے ہوتے ہیں، وہ ملکیت ہوتے ہیں اور جو پھل نیچے گر جاتے ہیں،اگر تم چاہو تو ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو۔ایک اصول بتا دیا، جو جائز تھا۔اس کے بعد نبی

علیہ السّلام نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کی بھوک دور فرما دے۔ اور دعا دیتے ہوئے نبی علیہ السّلام نے اسے قریب کیا اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ وہ صحابیؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السّلام کا محبّت بھرا ہاتھ جب میرے سر پر آیا تو نبی علیہ السّلام کی بات ایسے میرے دل میں بیٹھ گئی کہ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ آج کے بعد بغیر اجازت کے کسی کے پھل نہیں کھایا کروں گا۔

اب ذرا آنکھ بند کر کے ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ اگر ہمارے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو ہم کیا کرتے؟ یا تو زبان سے کچھ بول دیتے یا ہاتھ سے کچھ کر دیتے، معاملے کو بگاڑ بیٹھتے، وہ بچہ سدھرنے کی بجائے الٹا دشمن بنتا اور پہلے سے زیادہ اسی کام کو کرنے پر آمادہ ہوتا۔ یہی بنیادی فرق ہے، اگر اچھے اخلاق سے انسان بات کرے تو وہ دوسرے کے دل میں اتر جاتی ہے، چنانچہ نبی علیہ السّلام نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔ ہر انسان اسی بات کا پابند ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور اچھی عادات کو اپنائے۔ جو بندہ بھی دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے گا، دوسروں کے بارے میں مثبت سوچ رکھے گا، دوسروں کو فائدہ دینے کی نیت رکھے گا، یقیناً وہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے گا۔ ایسا انسان اللہ رب العزت کی نظر میں قیمتی ہے۔

## نبوّت کی انوکھی دلیل:

دیکھیے! نبی علیہ السّلام کی ذات گرامی کی ایسی پیاری زندگی تھی کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء آئے، جب ان سے نبوت کی دلیل پوچھی گئی تو کسی نے اونٹنی کو پیش کیا، کسی نے عصا کو اژدھا بنا کر پیش کیا، کسی نے مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کر کے دکھا دیا کسی نے برص کے مریضوں کو ٹھیک کر کے دکھا دیا، لیکن جب نبی علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ آپ اگر اللہ کے نبی ہیں تو آپ کے پاس نبوت کی دلیل کیا ہے؟

جواب میں نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ''تمہاری عقل کام نہیں کرتی! کیا میں اب تک تمہارے اندر زندگی نہیں گزار چکا۔''

تو نبی علیہ السّلام نے نبوت کی دلیل کے طور پر اپنی گزری ہوئی زندگی کو پیش فرمایا۔

بڑا مشکل کام ہوتا ہے اپنی زندگی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا۔لیکن وہ زندگی اتنی صاف.....اتنی کھلی.....اتنی دھلی زندگی تھی کہ کافر بھی آپ ﷺ کی عظمتوں کے قائل تھے۔کسی کو انگلی اٹھانے کی بھی جرات نہیں تھی۔وہ دشمنی کی وجہ سے نبی علیہ السّلام کو مجنون کہتے تھے،دشمنی کی وجہ سے جادوگر کہتے تھے،لیکن معاذ اللہ! کسی نے نبی علیہ السّلام کو امانت میں خیانت کرنے والا نہ کہا۔معاذ اللہ! جھوٹ بولنے والا نہ کہا وعدہ خلافی کرنے والا نہ کہا،اخلاقی اعتبار سے تو کوئی انگلی نہ اٹھا سکا۔تو اتنی پیاری زندگی تھی کہ جب نبوت کی دلیل مانگی گئی تو نبی علیہ السّلام نے اپنی مبارک زندگی کو نبوت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا۔ذرا سوچیں نا! یہ کتنا مشکل کام ہوتا ہے!

## پردے میں رہنے دو!

میں اور آپ جب اپنے گھر میں ہوتے ہیں تو اپنی بیوی سے کہیں گے کہ ہماری آپس میں کوئی بات ہوگی تو تنہائی میں ایک دوسرے سے بحث کرلیں گے،ایک دوسرے کو سن سنا لیں گے،ایک دوسرے کو ڈانٹ لیں گے لیکن باہر بات مت کرنا۔ہم بیوی سے کہیں گے کہ بس جو بھی ہے اندر ہی رکھنا باہر نہیں کرنا۔لیکن محبوب ﷺ کی زندگی اتنی پیاری تھی کہ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہّرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

''اگر کوئی عورت تم سے میری اندرونِ خانہ زندگی کے بارے میں سوال کرے،تو تم اس بات کی پابند ہو، تمہارے اوپر فرض ہے کہ میری زندگی کو اس کے سامنے کھول کر بیان کرنا''

اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہ تنہائی کی باتیں بھی، تمہارا فرض ہے کہ تم لوگوں تک پہنچاؤ۔ کیسی زندگی ہوگی!

## اپنے ہی اسیرانِ زلف:

آج ہماری حالت یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ ہمارے قریب ہوتا ہے، وہ اتنا زیادہ متنفّر ہوا ہوتا ہے، کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے، توبہ توبہ کر رہا ہوتا ہے، کہتا ہے، جی! اللہ کی پناہ.....کوئی ساتھ مل کر رہنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن نبی علیہ السّلام کا معاملہ دیکھیے، جو جتنا زیادہ قریب تھا، وہ اتنی زیادہ محبّت کرنے والا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے عورتوں میں جو ایمان لائیں، وہ خدیجۃ الکبریٰ j آپ ﷺ کی بیوی تھیں۔ بھلا بیویاں بھی کسی کو مانتی ہیں؟ باہر نصیحت کرنا بہت آسان اور گھر میں نصیحت کرنا بڑا مشکل کام۔ بیویاں تو مانتی ہی نہیں۔ لیکن اللہ رب العزت کے محبوب کی عظمتوں پر قربان کہ سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والی اپنی بیوی تھی۔ پھر رشتہ داروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے قریب تھے، وہ بچوں میں سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے بن گئے۔ پھر دوستوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قریب تھے، وہ سب سے پہلے کلمہ پڑھنے والے بن گئے۔ جو جتنا زیادہ قریب تھا، وہ اتنا زیادہ کلمہ پڑھنے والا بن گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محبوب ﷺ کی زندگی کھلی، دھلی اور پیاری اور انوکھی زندگی تھی۔

یہ اچھے اخلاق ہوتے ہیں جو بندے کا دل موہ لیتے ہیں۔ انسان لوگوں کے دلوں میں بس جاتا ہے، لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتا ہے، یہ اچھے اخلاق ایسی نعمت ہیں۔ تو انسان اچھے اخلاق سے زندگی گزارے، خود بھی سکھی رہے اور اللہ کے بندوں کو بھی سکھ دے۔

## خوش خلقی عبادت ہے:

کسی مومن کو خوش خلقی سے پیش آنا، اللہ رب العزت کے نزدیک یہ بھی عبادت ہے، کھلے چہرے کے ساتھ، کھلی پیشانی کے ساتھ، بشاشت کے ساتھ پیش آنا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

''جو مسلمان بھائی کو ملتے ہوئے مسکرا کے ملتا ہے، اس کا یہ مسکرانا بھی صدقہ کرنے میں لکھا جاتا ہے، اور جب مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ ہلتے ہیں تو ان کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جایا کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ میرے بندے پیار اور محبّت سے ملیں، تو یہ اچھے اخلاق ہم اپنے اندر پیدا کریں، تا کہ ہم دوسروں کے لیے آرام کا سبب بن سکیں اور خوشیوں کا سبب بن سکیں۔

ویراں نال زندگی دی بہار:

آج حالت یہ ہے کہ صلہ رحمی کا جتنا زیادہ شریعت نے حکم دیا، اتنا زیادہ ہم رشتوں ناتوں پر چھریاں پھیرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پر دو بھائی آپس میں بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمیں بھائی کے مرتبے کا پتہ ہی نہیں۔ دونوں بھائی جوان ہوتے ہیں، بھائی سے محبّت نہیں کریں گے بلکہ دوسرے لڑکوں سے محبّت کریں گے۔ اور یہ قرب قیامت کی علامت ہے۔ نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

''قرب قیامت میں ایسا وقت آئے گا کہ انسان دوسروں سے محبّت کرے گا اور جن سے صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے ان کے ساتھ تعلّق توڑے گا۔''

تو آج بھائی سے دوستی کوئی نہیں کرتا، کرتے ہیں تو غیروں سے، بھئی! اپنے بھائی کو ہی دوست بناؤ! ماں باپ کا دل خوش ہوگا، اللہ رب العزت خوش ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس تعلّق کو جوڑنے کا حکم دیا ہے۔

حق سچ تو یہ ہے کہ بندے کے اوپر جب بھی مصیبت آتی ہے، نظر پڑتی ہے تو بھائی پر ہی پڑتی ہے۔ قرآن عظیم الشان سے مثال

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو موسیٰ علیہ السّلام نے یہ محسوس کیا

کہ میں اکیلا ہوں اور میرے سامنے فرعون ایک Established (مستحکم) گورنمنٹ رکھنے والا بادشاہ ہے، اور اس کے ساتھ اس کی پوری قوم ہے، تو میرا بھی کوئی ساتھی ہونا چاہیے، معاون ہونا چاہیے۔ اب جب نبوت کا بوجھ پڑا تو اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے ایک نبی علیہ السّلام کی نظر فوراً کس پر پڑی؟ کیا دعا مانگتے ہیں؟

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَ یَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ○ هٰرُوْنَ اَخِیْ ○ (طٰہٰ:30-25)

اے رب میرا سینہ کھول دیجیے۔ اور میرا کام آسان فرما دیجیے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دیجیے۔ تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔ اور مقرر کر دیجیے ایک وزیر میرے کنبے میں سے۔ یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ دنیا میں جب مشکل پڑی تو نظر کس پر گئی؟ بھائی پر گئی۔ اور آخرت میں بھی جب مشکل پڑے گی، یہ اور بات ہے کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، تاہم جب بندے پر مشکل پڑے گی، تو سب سے پہلے رجوع کس سے کرے گا؟

قرآن میں فرمایا:

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ (عبس:34)

یہاں پر ''ابی'' کا نام نہیں لیا ''امی'' کا نام نہیں لیا۔ سبحان اللہ!

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ (عبس:34)

سب سے پہلے بندہ بھائی کی طرف رجوع کرے گا۔

تو ہم ذرا اپنے بھائی سے دوستی کر کے تو دیکھیں۔ پھر دیکھنا اللہ تعالیٰ کیسے رحمت فرماتے ہیں۔ جب یہ تعلّق ماں باپ کی طرف سے بھی ہو اور پھر دین کی نسبت سے بھی ہو جائے تو یہ ''نورٌ علیٰ نور'' بن جاتا ہے۔

پیوستہ رہ شجر سے:

آج حالت یہ ہے کہ اگر نوجوان بچے کو اس کے ماں باپ تربیت کی خاطر سمجھا دیں، تو بس، وہ غصے میں گرم ہو جاتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا! پھر شیطان اسے سمجھاتا ہے کہ بس! تم یہاں سے چلے جاؤ گے نا! تو تمہاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ دیکھیں! یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے بازو یہ سوچے کہ میں خوامخواہ بدن کے ساتھ لٹکا ہوا ہوں، میری آزادی اسی میں ہے کہ میں بدن سے جدا ہو جاؤں۔ اچھا! اگر یہ جسم سے جدا ہو گا تو کیا ہو گا؟ اس میں کیڑے پڑیں گے، اس کو کتے کھائیں گے، اس کی ہڈیاں توڑیں گے، اسے چچوڑیں گے، گلیوں میں گھسیٹا جائے گا، اس بازو کے اندر بدبو پڑے گی۔ یہ سب کیوں ہو گا؟

اس لیے کہ یہ مرکز سے جدا ہوا۔ بالکل ایسے ہی جو نوجوان بچہ یہ سمجھتا ہے کہ میری آزادی اس میں ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے جدا ہو جاؤں، تو اس کا بھی یہی حال ہو گا، اسے ایسے دوست ملیں گے جو اس کے ایمان کو خراب کریں گے، اسے جہنّم کا ایندھن بنائیں گے، نہ دین کا رہے گا نہ دنیا کا۔

والدین کا سایہ عاطفت:

آج نوجوانوں میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اگر والدین اچھی بات کہہ رہے ہیں تو ان میں قبولیت کا مادہ ہو۔ بھئی! کہہ تو تمہارے فائدے کے لیے رہے ہیں نا! اچھا! اگر والدین کہنا چھوڑ دیں تو نقصان کس کا ہو گا؟ اولاد کا ہی نقصان ہے، ماں باپ تو اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر وہ Unconsult (لاتعلّق) بن

جائیں کہ جاؤ بھئی! اللہ کے حوالے۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانتے تو ہم تمہیں اللہ کے حوالے کرتے ہیں، اس میں نقصان تو بچے کا ہی ہوگا کہ اس کے سر پر سایہ نہ رہے گا۔

## برکات کے محور:

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ

''تمہارے لیے برکت بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے۔''

اور شیطان کہتا ہے کہ بس تم علیحدہ ہو جاؤ۔ جن رشتوں کو رب کریم نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، ہم ان رشتوں کو توڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ شب قدر میں بڑے بڑے گناہ گاروں کی مغفرت ہو جاتی ہے، لیکن چند بندوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ان میں سے ایک وہ جو رشتوں ناتوں کو توڑنے والا ہو، شب قدر میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرماتے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ قطع تعلّقی کرنا اللہ رب العزت کے نزدیک کتنا برا کام ہے۔

## معاملات خراب ہونے کی وجہ:

دینِ اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بنا کر رکھیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بندہ سلجھانے کی نیت کر لے تو بڑے بڑے مسئلے سلجھا لیتا ہے اور اگر الجھانے پر آجائے تو ہر بات الجھ جاتی ہے۔ الجھانا کون سا مشکل کام ہے؟ ہمیں چاہیے کہ ہم معاملات کو سلجھانے کی کوشش کیا کریں۔

معاملات خراب کیسے ہوتے ہیں؟ غصے کی وجہ سے.....ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ایسی بات کر دی کہ بیوی سارا دن روتی رہی۔ ایسی بات کر دی کہ دوسرے بھائی کا دل دکھ گیا۔ یاد

رکھیے!''بیماریوں میں سے سب سے بری دل کی بیماری اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بری دل آزاری۔''

کسی کا دل توڑ دینا، آج ہم اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔اور ہم کن کا دل توڑتے ہیں؟ اپنوں کا۔کسی نے کیا خوب کہا:

شنیدم کہ مرادنِ راہِ خدا دلِ دشمناں راہم کردن نہ تنگ
تُرا کہ میسر شَوَدی مقام کہ با دوستاں راہم پے کارِ جنگ

''میں نے سنا ہے کہ جو مردانِ رہِ خدا ہوتے ہیں، وہ تو دشمنوں کے دل بھی تنگ نہیں کیا کرتے، تجھے یہ مقام کہاں سے ملا کہ تو اپنوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہے!''

چنانچہ آج معمولی بات پر بھائی بہن کے گھر جانا چھوڑ دیتا ہے۔حیرت کی بات ہے!

غصہ پینے کا انعام:

اللہ مارے اس غصے کو، اس نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا، جس کسی سے پوچھو، دوسرے کی رپورٹ، دماغ گرم، دماغ Boil (ابل) کر رہا ہوتا ہے، بھاپ بنی رہتی ہے۔ایسا نہیں ہونا چاہیے، مومن ایسے غصے کو دباتا ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے:

''اگر کسی شخص کے ساتھ کسی نے زیادتی کی اور یہ بندہ بدلہ لے سکتا تھا، مگر اللہ کی خاطر یہ اس کو معاف کر دے، تو اللہ رب العزت اس معاف کرنے کی وجہ سے، قیامت کے دن اس کو اپنے چہرے کا دیدار عطا فرمائیں گے۔''

تو بھئی! آج جو بندہ غصے کا گھونٹ پیے گا، کل کو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دیدار کا شربت پلائیں گے، کتنا مزے کا سودا ہے!

اس غصے سے اللہ کی پناہ مانگیں، یہ انسان کی زندگی اجیرن بنا کر رکھ دیتا ہے۔ ہاں! اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندہ انتظامی امور میں بھی نہ سمجھائے، اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، وگرنہ بات سمجھ نہیں آتی، لیکن ایک غصہ یہ ہوتا ہے کہ بس! Flash up (آگ بگولا) ہو جانا، ذرا سی بات پر اسی وقت بھڑک اٹھنا، ایسا ٹھیک نہیں، تھوڑا تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

## برائی کا بدلہ بھلائی:

نبی علیہ السّلام حلیم تھے۔ حلیم کس کو کہتے ہیں؟ حلیم کہتے ہیں جو دوسرے کو سزا دینے میں ذرا توقف کرے، دیر کرے، اس کو حلیم کہتے ہیں۔ تو نبی علیہ السّلام حلیم الطبع تھے، ہمیں بھی اپنے اندر حلم پیدا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ (حٰمٓ السجدہ: 34) ''نیکی اور برائی برابر تو نہیں ہو سکتی۔''

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (حٰمٓ السجدہ: 34) تم برائی کو نیکی کے ساتھ دھکیلو

جب برائی کا جواب بھلائی کے ساتھ دو گے تو تمہارے اور اس کے درمیان جو عداوت تھی وہ ختم ہو جائے گی اور وہ تمہارا جگری یار بن جائے گا۔ یہ اچھائی ایسی چیز ہے کہ دشمنوں کو بھی دوست بنا دیتی ہے۔

## نفع رسانی کا انعام:

اس لیے یہ خوش اخلاقی ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی ہے، اس کو سیکھنا ہے اور اس پر پوری زندگی گزارنی ہے۔ پھر اس کی برکتیں دیکھیے گا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے رزق میں برکت، صحت میں برکت، عزت میں برکت، ہر ہر چیز میں اس کی وجہ سے برکت آئے گی۔ کیوں؟

اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے:

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد:17) ''جو دوسروں کی نفع رسانی کا کام کرے گا، اللہ اس کے قدم زمین میں جما دے گا۔''

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے قدم زمین میں جما دیے جائیں تو ہم دوسروں کی خیر خواہی کریں۔ سب کا بھلا چاہیں، سب کا بھلا سوچیں۔

## یہ قدم زمین میں جمنے کیسے ہیں؟

جب بندے کے پاس رزق اچھا ہو، صحت ہو، جب بندے کے پاس کاریں اور بہاریں ہوں، معاشرے میں عزت ہو، تو لوگ کہتے ہیں، ماشاءاللہ! اس بندے کے قدم جم گئے ہیں!

## خیر خواہی کی قدر دانی:

یہ خیر خواہی اللہ رب العزت کو اتنی پسند ہے کہ پروردگار عالم خیر خواہ بندے سے محبّت فرماتے ہیں۔ حتی کہ ایک دفعہ سلیمان علیہ السّلام اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں چیونٹیاں جا رہی تھیں۔ ایک چیونٹی نے محسوس کر لیا کہ لشکر آ رہا ہے، اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ تم بلوں میں گھس جاؤ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل:18) سے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

کیونکہ سلیمان علیہ السّلام کا لشکر آ رہا ہے اور تم راستے میں چل رہی ہو، ایسا نہ ہو کہ ان کا لشکر بے دھیانی میں تمہیں پاؤں کے نیچے مسل دے۔ تم جلدی جلدی اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ اب چیونٹی کتنی چھوٹی سی مخلوق ہے، اس نے دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کی اور یہ خیر خواہی اللہ کو اتنی پسند آئی کہ اس بات کو قرآن پاک میں Mension (مذکور) فرمایا اور اس صورت کا نام ''النمل'' چیونٹی کے نام پر رکھ دیا۔ سوچنے کی بات ہے، اگر ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں کی خیر خواہی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ قرآن

میں فرماتے ہیں، تو اگر بندۂ مسلمان اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرے گا، تو اللہ رب العزت کیوں نہ خوش ہوں گے!

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کریں، دوسروں کا بھلا سوچیں، اچھا سوچیں۔ اپنے آپ کو مشقّت میں ڈال کر بھی دوسروں کو نفع پہنچائیں تو اللہ کا احسان جانیں۔

## دو لفظوں میں پورا دین:

دین اسلام ایک عجیب دین ہے۔ نبی علیہ السّلام نے دو لفظوں میں پورا دین سمجھا دیا۔ فرمایا:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ ''دین سراسر خیر خواہی ہے۔''

یہاں طلبا، علما کے لیے ایک علمی نکتہ ہے، عام طور پر متبدا خبر میں ایک معرفہ ہوتا ہے اور دوسرا نکرہ ہوتا ہے۔ مگر یہاں دونوں معرفہ ہیں۔ الدین النصیحہ

دونوں کو معرفہ کیوں لائے؟ علماء نے لکھا ہے کہ جب متبدا اور خبر میں سے دونوں کو معرفہ لایا جائے، تو وہاں پر دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے محصور ہوتے ہیں، مقیّد ہوتے ہیں۔ کیا مطلب؟ فرمایا: ''دین وہی ہے جو خیر خواہی ہے، اور جہاں خیر خواہی ہے، وہی سراپا دین ہے۔'' یہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، جہاں آپ دین دیکھیں گے، وہاں آپ کو خیر خواہی نظر آئے گی، اور جہاں آپ کو خیر خواہی نظر آئے گی، وہیں آپ کو دین نظر آئے گا۔ دین اور بدخواہی، یہ دونوں چیزیں کبھی اکٹھّی نہیں ہوسکتیں۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ دین موجود ہو اور بندے کے اندر بدخواہی ہو۔ اس لیے مومن ہمیشہ دوسروں کا خیر خواہ ہوتا ہے، اپنا بھی خیر خواہ، دوسروں کا بھی خیر خواہ، ہر ایک کا خیر خواہ۔ تو بھئی! ہم نے خیر خواہی سیکھنی ہے، اللہ کے بندوں کی خیر خواہی، ایمان والوں کی خیر خواہی، یہ مقصدِ

زندگی ہے۔

## درسِ اخلاق کی ضرورت:

جب آپ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بدخواہ دیکھیں، تو سمجھ لیں کہ دین کی دھجیاں اڑ چکیں، دین کے پرخچے اڑ چکے، اب دین درمیان میں نہیں رہا۔ اور آج تو ہم دین والے، جنہوں نے وضع قطع دین داروں والی بنائی ہوتی ہے، آپس میں الجھ رہے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے سینگ نہیں سماتے، اکٹھا مل کر رہنا ہمارے لیے مشکل ہوتا ہے۔ شاید سینگوں والے جانوروں کو اکٹھا کمرے میں رکھ دیں تو وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہ لیں گے، اور اگر ہم بے سینگ کے جانوروں کو اکٹھا رکھیں تو ہماری ایک دوسرے سے نہیں بنے گی۔

## کیا وجہ ہوتی ہے؟

اخلاق نہیں سیکھے ہوتے، کسی نے اخلاق کا درس نہیں دیا ہوتا، کسی نے بتایا نہیں ہوتا کہ اخلاق کی اللہ کے ہاں کیا قیمت ہے۔ یہ سمجھنے کی بات ہے، یہ درس سن کر دلوں میں نقش کرنے کے قابل ہوتے ہیں، تاکہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن کر زندگی گزاریں۔ دوسروں کے حقوق کی رعایت کریں، دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

## پڑوس کی قیمت:

مجھے ایک آدمی نے کسی صاحب کے بارے میں بات کی کہ حضرت! جو فلاں بندہ ہے نا! بچے اس کے قریب بھی رہنا پسند نہیں کرتے، بچے اس سے پریشان ہی رہتے ہیں، ہر ایک کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ میں نے اس کے کہا کہ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو اس وقت ہمارے پڑوس کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں، پھر میں نے اسے واقعہ سنایا۔

عبداللہ بن مبارکؒ رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین فی الحدیث تھے، محدثین میں ان کا بڑا مقام ہے۔ بلکہ جتنی تعریفیں اسماء الرجال کی کتب میں عبداللہ بن مبارکؒ رحمۃ اللہ علیہ کی کی گئی ہیں، کسی اور محدث کی اتنی تعریفیں نہیں کی گئیں۔ ایسے مانے ہوئے بزرگ تھے۔ امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں ایسے الفاظ نہیں کہے گئے، جیسے متّفقہ طور پر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں کہے گئے۔

ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ ان کے ہمسائے میں ایک یہودی رہتا تھا، وہ مکان بیچنا چاہتا تھا۔ خریدنے والا پہنچا اور اس نے پوچھا کہ آپ نے مکان بیچنا ہے، اس نے کہا جی ہاں! کتنے میں بیچیں گے؟ کہنے لگا دو ہزار دینار میں بیچوں گا۔ خریدنے والے نے کہا: بھئی! اس مکان کی قیمت اس ایریا میں ہزار دینار ہے۔ ہزار دینار کافی ہے اور آپ دو ہزار مانگ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ ہاں! مکان کی قیمت تو ایک ہزار دینار ہی ہے اور دوسرا ہزار دینار عبداللہ بن مبارکؒ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس کی قیمت ہے۔ یہ بات یہودی کر رہا ہے۔

ایک وقت تھا کہ ہم جس مکان میں رہتے تھے، اس گھر کے پڑوس کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں۔ اس وقت ہمارے اندر اخلاق ہوتے تھے، ہم دوسروں کا بھلا سوچتے تھے۔

## خیر خواہی ہو تو ایسی!

ہمارے اسلاف دوسروں کا کتنا بھلا سوچتے تھے، سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ جابر بن عبداللہ البجلیؒ تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے کسی سے گھوڑا خریدا۔ فرض کیجیے سات ہزار کا خریدا۔ گھوڑا خرید کر گھر لائے۔ جب گھوڑا خریدا جاتا تو صاف ظاہر ہے کہ لوگ دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اگلے دن لوگ دیکھنے آ گئے۔ انہوں نے آ کر دیکھا اور کہا، ماشاء اللہ! بڑا اچھا سودا کر کے آئے، بڑا اچھا خرید لیا، ویسے لگتا تو یہ کہیں آٹھ ہزار کا ہے۔ آپ کو بڑے مناسب دام میں مل گیا۔ وہ لوگ یہ کہہ کر چلے گئے۔ تو یہ دوسرے

دن گئے اور گھوڑے کے مالک کو ایک ہزار دینار اور دیئے اور کہا کہ بھئی! لوگ کہتے ہیں کہ یہ آٹھ ہزار کا ہے، میں نے تو آپ سے کم قیمت پر لیا۔ اگلے دن کوئی اور دیکھنے والا آ گیا۔ اس نے جب آ کر دیکھا تو کہا کہ یہ گھوڑا تو بہت اچھا ہے، مجھے تو بہت اچھا لگا، مجھے تو بڑا پسند آیا، میری نظر میں تو اس کی قیمت نو ہزار تھی اور تمہیں یہ آٹھ ہزار میں مل گیا۔ یہ پھر اگلے دن گئے اور خاموشی کے ساتھ اس کے مالک کو ایک ہزار دینار اور دیے۔ اب مالک نے کہا کہ آپ بار بار پیسے کیوں دیے جا رہے ہیں، میں نے اس قیمت میں بخوشی آپ کے ہاتھ فروخت کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ''خیر خواہی'' کی وجہ سے۔ ہم نے اپنے اساتذہ کے ہاتھوں پر بیعت کی ہوئی ہے کہ ہم مومن کی خیر خواہی کریں گے۔ تمہیں اپنے گھوڑے کی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے لوگوں سے رائے پوچھی۔ کتنے ہی لوگوں نے اس کی قیمت نو ہزار بتائی۔ میں آپ کا نقصان نہیں بلکہ بھلا چاہتا ہوں، اس لیے میں نے آپ کو اوپر کے دو ہزار روپے بھی دے دیے۔ کبھی ہم دوسروں کے اتنے خیر خواہ ہوا کرتے تھے۔

## خیر خواہی کی انوکھی مثالیں:

جب اسلام کا دنیا پر غلبہ تھا، تو مسلمان پوری دنیا پر حکومت کر رہے تھے۔ اس وقت کفار نے ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ پتہ کر کے آؤ، ان مسلمانوں کے اندر کیا خاص چیز ہے کہ یہ جدھر جاتے ہیں کامیابیاں ان کے قدم چومتی ہیں، دوسرے لوگوں کو بڑا متاثر کر لیتے ہیں اور ان کو مسلمان بنا دیتے ہیں۔ بغداد اس وقت مسلمانوں کا مرکز تھا۔

چنانچہ وہ بغداد آیا کہ دیکھوں کہ آخر وجہ کیا ہے؟ جب وہ شہر میں آیا تو دوپہر کے وقت اس کو بھوک لگی۔ وہاں ایک ہوٹل تھا، وہ کھانا کھانے کے لیے اس ہوٹل میں بیٹھ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے قریب ہی ایک اور بندہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے اور اس کی طرف بار بار دیکھ رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ میں

اجنبی ہوں، اس لیے مجھے دیکھ رہا ہوگا۔ جب اس نے کھانا کھالیا اور کاؤنٹر پر آکر پوچھا کہ میں نے آپ کو کتنے پیسے دینے ہیں؟ کاؤنٹر والے نے جواب دیا کہ جناب! آپ کے پیسے تو ادا ہو چکے۔ اس نے پوچھا، جی! کیسے ادا ہو چکے؟ کھانا تو میں اب کھا کر آیا ہوں۔ اس نے بتایا کہ آپ کے ساتھ وہ جو دوسرا بندہ بیٹھا ہوا تھا، وہ مقامی تھا۔ وہ جب اپنے پیسے دینے آیا تو مجھے کہنے لگا کہ یہ شخص پردیسی نظر آتا ہے، یہ مہمان ہے، چلو اس کے پیسے میں دے دیتا ہوں، میری طرف سے ان کی دعوت سہی۔ اور اس نے آپ کو بتایا بھی نہیں، کیونکہ وہ اس کے بدلے میں آپ سے شکریہ کے الفاظ بھی نہیں چاہتا تھا، بلکہ اللہ سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا آپ کا بل ادا کر کے چلا گیا۔ یہ شخص بڑا حیران ہوا کہ یہ ایسے لوگ ہیں۔ مہمان نوازی بھی کرتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتے کہ کس نے مہمان نوازی کی۔ وہ بڑا خوش ہوا۔

وہ شخص آگے چلا، اس کو کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت تھی۔ ایک دکان پر اس نے وہ چیز دیکھی، اس نے دکاندار سے کہا کہ مجھے یہ چیز چاہیے۔ دکاندار نے کہا کہ ہاں! لے لو۔ کتنے میں دو گے؟ اس نے جواب دیا اتنے میں دوں گا۔ نو وارد نے کہ ٹھیک ہے ایک دے دو۔ دکاندار کہنے لگا کہ بھئی! آپ تھوڑی سی تکلیف کریں، وہ سامنے دکاندار سے یہی چیز اتنے ہی پیسوں میں مل جائے گی، آپ مہربانی فرما کر اس سے لے لیں۔ اس نے دوسری دکان سے جا کر چیز تو خرید لی لیکن اس کے دل میں خیال آیا کہ پہلے دکان دار نے چیز کیوں نہ دی؟ اس نے واپس آکر اس سے پوچھا: کیا آپ کے پاس چیز موجود نہیں تھی یا دینی پسند نہیں کی؟ اس نے جواب دیا کہ چیز تو موجود تھی لیکن میں نے چاہا کہ آپ میرے ہمسائے سے خرید لیں۔ اس نے کہا دکاندار تو ایسا نہیں کرتے کہ میری بجائے اس سے خرید لیں۔ اس نے جواب دیا کہ ایسا میں نے اس لیے کیا کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آگئے کہ میرے اخراجات پورے کرنے کے لیے کافی تھے، لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ میرے اس بھائی کے پاس کوئی گاہک نہیں آیا۔ میرے دل میں

خیال آیا کہ آپ اس سے وہ چیز خرید لیں گے، اس کو بچت ہو جائے گی اور اس کے بیوی بچوں کی روٹی کا انتظام ہو جائے گا۔

## عمل سے زندگی بنتی ہے:

ایک وقت تھا کہ آمنے سامنے والے دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ ہوتے تھے۔ اللہ اکبر کبیر اً۔ اور آج اپنی حالت ہم خود دیکھ سکتے ہیں، اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ تو یہ اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، زبانی کلامی اچھے نہیں بن سکتے جب تک کہ عمل ساتھ نہ ہو۔ بندے کی شخصیت کی عمل سے تصدیق ہوتی ہے۔ اگر ہم اچھے اخلاق کو اپنائیں گے تو اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہوں گے۔

## انوکھا مقدمہ اور نرالا فیصلہ:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ ایک آدمی نے زمین بیچی اور دوسرے نے خریدی۔ جب خریدنے والے نے ہل چلائے تو اس زمین میں سے کچھ خزانہ نکل آیا۔ اس نے سوچا کہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی، خزانہ تو نہیں خریدا تھا۔ لہٰذا خزانہ اسی کا ہے جس نے زمین فروخت کی۔ وہ ان کے پاس گئے اور کہا: بھائی! یہ آپ کا خزانہ چھپا ہوا تھا، آپ واپس لے لیں۔ آگے سے اس بیچنے والے نے جواب دیا کہ بھائی! جب میں نے اپنی زمین بیچ دی، اب زمین سے جو بھی فائدہ ہو وہ آپ کا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں میں نے صرف زمین کی قیمت ادا کی تھی، خزانے کی قیمت ادا نہیں کی، لہٰذا یہ خزانہ آپ کا ہے۔ آگے سے وہ کہے کہ نہیں اب ہر چیز آپ کی ہے۔ دونوں میں بحث چلتی رہی، مشورہ یہ ہوا کہ عدالت میں چلتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دو مسلمان بھائیوں کے درمیاں یہ پہلا مقدمہ تھا جو عدالت میں پیش

ہوا۔اور وہ مقدمہ بھی ایسا کہ ایک فریق کہتا ہے یہ آپ کا حق ہے،اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں یہ آپ کا حق ہے۔

آج عدالتوں میں مقدمے آتے ہیں،ایک فریق کہتا ہے کہ یہ میرا حق ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے،نہیں! یہ میرا حق ہے۔ایک کہتا ہے کہ میں اپنے حق کی حفاظت کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا۔دوسرا بھی کہتا ہے کہ میں خون کا آخری قطرہ بہادوں گا۔جب اس نیت سے وہاں جاتے ہیں تو آج کی عدالتوں سے عداوتیں ملتی ہیں۔جہاں عدالت دیکھو،سمجھ لو وہاں عداوت موجود ہے۔جہاں عداوتیں ہوں وہاں عدالتیں ہوں گی۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں طرف عداوتیں ہیں۔اس لیے جائز وناجائز حقوق کے لیے جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے اور وہ میرا حق ہے۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں کیا جھگڑا آرہا ہے؟

ایک بندہ کہتا ہے کہ یہ میرے بھائی کا حق ہے اور دوسرا کہتا ہے،نہیں! یہ میرا حق نہیں بلکہ میرے بھائی کا حق ہے۔اب جس نے فیصلہ کرنا تھا،وہ بھی حیران کہ کس سے کہا جائے کہ اس کا حق ہے۔

اللہ نے ان حضرات کو سمجھ بھی بڑی دی تھی۔دونوں طرف سے مقدمہ سن لینے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کے گھروں میں اولاد ہے۔ایک نے کہا کہ میری اولاد ہے،اور دوسرے نے کہا کہ میری بھی اولاد ہے۔معلوم یہ ہوا کہ ایک کے گھر میں بیٹا جوان ہے اور دوسرے کے گھر میں بیٹی جوان ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ دونوں اپنے بیٹے اور بیٹی کا آپس میں نکاح کردیں اور یہ خزانہ اس بیٹی کے جہیز میں دے دیں۔پہلے وقتوں میں مسلمانوں کے جھگڑے ایسے ہوتے تھے۔

## نہ ہو دین تو سجن بھی دشمن:

آج مسلمانوں کے جھگڑے کیا ہوتے ہیں؟

ایک بالشت زمین کی خاطر بندے مرتے ہیں۔ بالشت زمین کی بات بھی چھوڑیے.....دو دوست ہیں ،زندگی کے بیس سال دوست رہے۔ آپس میں باتیں کر رہے ہیں مذاق میں۔ باتیں کرتے کرتے بات بڑھ گئی تو ان میں سے ایک دوست نے دوسرے دوست کو قتل کر دیا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟؟؟

اس لیے کہ دین کا پتہ نہیں ہوتا۔ ان کو دین سکھانے کی ضرورت ہے۔

## مومن کو قتل کرنے پر اللہ تعالیٰ کا غضب:

ایک مسلمان بھائی کو قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے! اتنا بڑا گناہ! کہ جتنا اللہ رب العزت نے اس گناہ کے کرنے پر غصہ فرمایا ہے اور کسی گناہ پر اتنا غصہ نہیں فرمایا۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ جتنا رب العزت نے غصے کا اظہار اس گناہ پر کیا اور کسی گناہ پر اتنا غصے کا اظہار نہیں کیا۔ سنیے! قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ (النسآء:93) ''اور جو جان بوجھ کر مومن کو قتل کرے، اس کی جزا جہنّم ہے''

اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اس کو جہنّم میں ڈالیں گے، قصہ ختم۔ مگر نہیں۔ اتنا جلال کا اظہار فرمایا کہ یہ کہنے کے بعد آگے فرمایا:

خَالِدًا فِيْهَا (النسآء:93) ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

ارے! ہمیشہ ہمیشہ تو کافر، مشرک اور منافق رہتے ہیں۔ مگر فرمایا کہ نہیں! یہ اتنا برا کام ہے! یہ گناہ اتنا بڑا

ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔یعنی بہت لمبا عرصہ رہے گا۔

اچھا!اگر یہ بھی کہہ دیتے کہ اتنا لمبا عرصہ جہنّم میں رہنا پڑے گا تو یہ بھی بہت بڑی سزا تھی۔مگر نہیں۔اس پر غصہ ختم نہیں ہوا، آگے فرماتے ہیں:

وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (النسآء:93) اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

اگر اتنا ہی کہہ دیتے تو بہت تھا کہ، جہنّم میں ڈالیں گے، لمبا عرصہ جہنّم میں رہیں گے، اتنا کہہ دیتے تو کافی تھا، مگر نہیں! گناہ اتنا بڑا تھا کہ پھر بھی غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔آگے فرمایا:

وَ لَعَنَهٗ (النسآء:93) اس پر اللہ رب العزت کی لعنت ہوگی۔

کسی مومن کو قتل کر دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس پر غصہ در غصہ کا اظہار فرمایا.....اب پوری آیت سن کر ذرا تصور کیجیے کہ کتنا غصے کا اظہار فرمایا:

## قربِ قیامت کی نشانی:

اور آج سب سے آسان کام یہی نظر آتا ہے۔اور یہ قرب قیامت کی علامت ہے۔نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

''قرب قیامت کے علامات میں سے ایک یہ ہے کہ مومن کو قتل کیا جا رہا ہوگا اور اس کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ مجھے کس گناہ کی وجہ سے مارا جا رہا ہے۔''

اور آج تو لوگ نمازوں کے لیے مسجدوں میں آتے ہیں اور ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ واپس گھر بھی جائیں گے کہ نہیں جائیں گے اور کہنے کو اسلام کے بڑے ٹھیکیدار بنتے ہیں۔

## مومن کی شان اور رتبہ:

اس لیے ہمیں اخلاق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ مومن کی شان اور مومن کا رتبہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ السّلام نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا: بیت اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا مقام بہت بڑا ہے، لیکن

حُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ اَرْجَحُ مِنْ حُرْمَةِ الْكَعْبَةِ

''اللہ رب العزت کی نظر میں ایک مومن کی عزت بیت اللہ کی عزت سے بھی زیادہ ہے''

اب بیت اللہ کو جا کر لپٹتے پھرتے ہیں۔ غلاف پکڑ پکڑ کر دعائیں مانگتے ہیں لیکن مومن کی توہین کرتے پھرتے ہیں، مومن کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ مؤمن پر تو نگاہ ہی نہیں ٹکتی۔ کہتے ہیں، میں تجھے کیا جانوں! آپ سنتے نہیں ایسی باتیں؟

تیرے جیسے کو خرید کر یہ کر دوں۔ یہ باتیں کس لیے کرتے ہیں؟ اس لیے کہ انہوں نے اخلاق کا درس سنا ہی نہیں ہوتا۔ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ زندگی گزارنی کیسے ہے۔

## کر بھلا، ہو بھلا:

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے بندوں کے لیے رحمت بن کر رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ اچھے اخلاق سے زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ہم سیکھیں کہ اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں۔

## شرم تم کو مگر نہیں آتی:

☆ ہم سے تو صندل کا درخت اچھا۔ کیونکہ صندل کا درخت اس کلہاڑے کے منہ کو بھی خوشبودار بنا دیتا ہے جو کلہاڑا اس کو کاٹتا ہے۔

☆ ارے! ہم سے تو پھول کی پتیاں اچھی۔ جو انسان پھول کی پتیوں کو مسل دیتا ہے، یہ پتیاں ان ہاتھوں کو بھی خوشبودار بنا دیتی ہیں۔

☆ ہم سے تو درخت اچھا! بیری کے درخت پر لوگ پتھر پھینکتے ہیں تو وہ ادھر سے بیر گراتا ہے۔ لوگوں نے اسے پتھر مارے، اور اس درخت نے اس پتھر مارنے والوں کو بھی اپنے پھل عطا کیے۔

کاش! ہم بھی اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کو کوئی اچھائی دیتے۔ لیکن اچھائی تو تب دیں جب ہمارے اندر کوئی اچھائی ہو۔ اگر اندر ہی گند بھرا ہوا ہو تو وہ گند ہی باہر آئے گا۔ اچھے بھلے نمازی حاجی صاحب نے ذرا سی بات پر ننگی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ذرا چھیڑ کے دیکھیے، ذرا غصے کا موقع آیا تو حقیقت کھل جاتی ہے۔ ساری زندگی میں انہوں نے یہی کچھ سیکھا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو کچھ سنوارنے کی کوشش کریں۔ موت سے پہلے خدا کا بندہ بن کر رہنا سیکھیں۔ اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کر لیں۔

## تین قیمتی باتیں:

تین باتیں ذہن میں رکھیے:

(۱) اگر ہم کسی کے ساتھ اچھائی نہیں کر سکتے تو کم از کم برائی بھی تو نہ کیا کریں۔

(۲) اگر ہم کسی کو سکھ نہیں دے سکتے تو ہم کسی کو دکھ بھی تو نہ دیا کریا۔

(۳) اگر ہم کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو بد تعریفی بھی تو نہ کریں.....

نہیں تعریف کر سکتے، زبان چھوٹی سی ہے، تعریف گوارا نہیں تو بند رکھو اس زبان کو! کیوں کھولتے ہو؟

معاملات سے پتہ چلتا ہے:

کسی بندے کے اخلاق کا پتہ اس کے معاملات سے چلتا ہے۔ایک صاحب نے کسی کی بڑی تعریف کی۔عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ لین دین کیا؟ کہنے لگا، جی نہیں! اچھا! تو اس کے ساتھ کبھی سفر کیا؟ کہتا ہے کہ، جی نہیں۔فرمایا: اچھا! آپ نے اس کو مسجد سے نکلتے دیکھ لیا ہوگا! اس لیے تعریفیں کر رہے ہو۔تو لین دین کر کے پتہ چلتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے!

آج ہمارا یہ حال ہے کہ ایک آدمی کسی مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے، اس کو غریب سمجھ کر اپنے کاروبار میں شریک کر لیتا ہے۔آگے سے وہی اس کی جڑیں کاٹتا ہے..... کسی نے خیر خواہی کی، کاروبار نہیں چلتا تھا۔مسلمان بھائی سمجھ کر Credit (ادھار) پر مال دے دیا، وہ دبا کر بیٹھ جاتا ہے۔جس سے بھلا کرو وہی آگے سے برا ثابت ہوتا ہے۔کیوں؟

اس لیے کہ ہمارے تربیت نہیں ہوئی۔ہمیں کسی نے اخلاق سکھائے نہیں۔یہ نہیں سمجھایا کہ انسانیت کسے کہتے ہیں۔جب یہ انسانیت آئے گی تو ہمارے اندر خیر خواہی آجائے گی۔دوسروں کے بارے میں بھلائی آجائے گی۔پھر ہمارے دین کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کیا کریں گے۔ہمارے معاملات کو دیکھ کر لوگ اسلام قبول کیا کریں گے۔آج معاملہ الٹ ہے۔جب ہماری زبان سے لوگ جھوٹ سنتے ہیں تو پھر سوچیے کہ مسلمانوں کے بارے میں ان کا کیا تصور بنے گا۔

## آج کے مسلمان کی ''ان شاءاللہ'':

ایک آدمی مجھے باہر کے ملک میں کہنے لگا کہ جب کوئی مسلمان ان شاءاللہ کہہ دے تو سمجھ لیں کہ اس کا کام کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں حیران ہوا یہ بات سن کر۔ وہ کہنے لگا کہ میں ٹیچنگ کرتا

ہوں۔مسلمانوں میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ جو کام انہوں نے کرنا ہو تو ٹھوس کہتے ہیں کہ جی میں یہ کام کروں گا اور جہاں نیت خراب ہوتی ہے، آگے سے کہتے ہیں، ان شاءاللہ!.....اب بتائیے کہ مسلمانوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے کفار کے تجربہ میں یہ بات آئی کہ جب ان شاءاللہ کہہ دیں گے تو کام نہیں کریں گے۔تو ہم نے اس اللہ کے نام کی نسبت کو کہاں تک پہنچا دیا۔اللہ اکبر!

ہم سبب بن رہے ہیں اسلام کی بدنامی کا۔چونکہ ہم بگڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم بگڑے ہوئے کام کرتے ہیں۔دین کے راستے میں ہم رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔تو ہمیں اپنے اخلاق پر توجہ دینی ہے اور اپنے آپ کو ایک اچھا انسان بنانا ہے۔

## صحابہ کرامؓ میں عیب پوشی:

صحابہ کرامؓ نے اپنے اخلاق کو بنایا تھا، اس لیے وہ جس طرف رخ کرتے تھے، کامیابیاں ان کے قدم چومتی تھیں۔صحابہ کرامؓ کی آپ میں ایسی محبّت تھی کہ حیران ہوتے ہیں۔ایک دوسرے کی وہ کس طرح پردہ پوشی فرمایا کرتے تھے۔اللہ اکبر کبیرا!

ایک مرتبہ صحابہؓ بیٹھے تھے، نماز کا وقت قریب تھا۔اچانک یوں محسوس ہوا کہ کسی کا وضو ٹوٹا اور بدبو محسوس ہوئی۔صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اٹھ کر جاتا اور وضو کر کے آتا اور جو محفل سے اٹھ کر جاتا تو سب کے سامنے اس کی سبکی ہوتی۔ ہے تو یہ قدرتی چیز مگر شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔اس سے پہلے کہ کوئی اٹھ کر جائے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر اجازت ہو تو ہم سب دوبارہ وضو کر کے نہ آجائیں؟ محبوب ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا! سب کے سب صحابہ کرامؓ گئے اور دوبارہ وضو کر کے آئے تاکہ یہ پتہ نہ چلے کہ کس کا وضو خطا ہوا تھا۔ایک دوسرے کے عیبوں پر پردے ڈالتے تھے۔مسلمان بھائی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے۔اللہ اکبر۔

## بوقتِ قتل بھی خیر خواہی:

ہمارے اسلاف ایک دوسرے کے لیے قربانی دیتے تھے۔ چنانچہ ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ دوسروں کی خیر خواہی کے بارے میں ان کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ وقت کے بادشاہ نے اپنی مرضی کا کوئی فتویٰ مانگا۔ آپ نے انکار کر دیا اور اس کی مرضی کا فتویٰ نہ دیا۔ فتویٰ وہ دیا جو شریعت کے مطابق تھا۔ ہمارے اکابر کا یہی دستور رہا ہے۔ بادشاہ نے دو اور حضرات سے بھی پہلے فتویٰ پوچھا تھا۔ ان کی طرف سے بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ اس کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ تینوں کو گرفتار کر لو! جب بادشاہوں کی مرضی نہیں چلتی تو پھر یونہی ان کا حکم چلتا ہے۔ تینوں حضرات گرفتار ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ان کو قتل کراؤں گا اور میں خود سامنے بیٹھوں گا۔ جلاد کو بلا لیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے ہیں، ان کے پیچھے دوسرے دو حضرات ہیں۔ بادشاہ کے دل میں ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عقیدت تھی کہ یہ بزرگ ہیں، نیک ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ باقی دو کو تو میں قتل کرا دوں اور ان کو پھر کسی بہانے سے معاف کر دوں گا لیکن وہ کھڑے سب سے آگے تھے۔ بادشاہ کہنے لگا نہیں! یہ جگہ ٹھیک نہیں۔ ان کو ذرا ادھر لے آؤ۔ مقصد (ترتیب بدلنا) تھا۔ جب ادھر کھڑے کیے گئے تو ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ پھر سب سے آگے۔ پھر اس نے کوئی عذر بنایا کہ نہیں، ان کو ادھر لے آؤ۔ وہاں گئے تو ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ پھر آگے۔ اب بادشاہ نے ابوالحسن نوریؒ رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور بلا کر بات کھول دی کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ آپ کو معاف کر دوں۔ باقی دو کو تو میں قتل کروانے کے بارے میں Serious (سنجیدہ) تھا۔ آپ تینوں جگہ سب سے آگے کھڑے ہوئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوالحسن رحمۃ اللہ علی ہنے اس کے پوچھنے پر فرمایا کہ میں تینوں جگہ آگے اس لیے کھڑا ہوا کہ آپ نے تو قتل کا حکم دے دیا۔ میں نے سوچا کہ جلاد پہلے مجھے قتل کرے گا اور جتنی دیر مجھے قتل کرنے میں لگے

گی، میرے بھائیوں کو اتنی دیر زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔ایک وقت تھا کہ ہم اپنے بھائیوں کے بارے میں اتنا فائدہ سوچا کرتے تھے کہ مرتے مرتے بھی دوسروں کا فائدہ سوچتے تھے۔

## موت کے وقت خیر خواہی:

جنگ یرموک کا واقعہ اکثر بیان کرتے رہتے ہیں: کہ تین صحابہؓ کا آخری وقت ہے۔ان میں سے ایک پیاس کی شدت سے پکارتا ہے العطش،العطش ان کا کزن پانی لے کر جاتا ہے۔یہی الفاظ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے سنتے ہیں تو اپنا منہ بند کر لیتے ہیں۔اشارہ کرتے ہیں کہ پہلے اس کے پاس جاؤ!وہاں پانی لے کر جاتے ہیں تو وہ اشارہ کرتے ہیں کہ پہلے تیسرے کے پاس جاؤ!وہ تیسرے کے پاس جاتے ہیں تو وہ شہید ہو چکے ہوتے ہیں۔واپس دوسرے کے پاس آتے ہیں تو وہ بھی شہید ہو چکے ہوتے ہیں اور واپس پہلے صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں تو وہ بھی جامِ شہادت نوش کر چکے ہوتے ہیں۔ وہ حضرات عین سکراتِ موت کے وقت بھی دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ہوش و حواس میں بھی دوسروں کو ترجیح نہیں دیتے۔

## درجہ انسانیت معلوم کرنے کا تھرمامیٹر:

ہمیں اپنے آپ کا جائزہ لینا ہے، جیسے حرارت معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے تھرمامیٹر ہوتا ہے۔اسی طرح اگر کسی کو اللہ رب العزت کے قریب معلوم کرنا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو وہ کتنا پسند ہے؟اس کو معلوم کرنے کا تھرمامیٹر اس بندے کے اخلاق ہیں۔اس کے اخلاق دیکھیے۔جس کے اخلاق اعلیٰ درجے کے ہیں وہ اللہ کا مقرب ہے اور جس کے جتنے اخلاق برے ہیں اتنا وہ اللہ سے بھی دور ہے۔اور اخلاق کا پتہ چلتا ہے ساتھ رہ کر، چل پھر کر کہ کتنا تحمل اور بردباری ہے! کتنا قربانی اور خیر خواہی کا جذبہ ہے!

## مسلمانی کو فخر ہے ان پر:

امام اعظم ابوحنیفہؒ ابتدائے جوانی میں کپڑے کی دکان کرتے تھے۔ایک دن ظہر کے بعد ہی دکان بند کر کے آرہے تھے۔راستے میں کسی دوست کو ملے تو اس نے پوچھا۔نعمان!اتنی جلدی دکان بند کردی؟فرمانے لگے کہ آسمان پر بادل تھے،اس لیے میں نے دکان بند کردی۔اس نے حیران ہوکر پوچھا،بھئی بادلوں سے کیا تعلّق دکان بند کرنے سے؟فرمانے لگے کہ بات یہ ہے کہ جب آسمان پر بادل ہوتے ہیں تو اس وقت گاہک کو قیمتی اور ہلکے کپڑے کے درمیان تمیز نہیں ہوتی۔میں نے دکان بند کردی تاکہ کوئی ہلکے کپڑے کو قیمتی سمجھ کر نہ لے جائے اور اس کا نقصان نہ ہوجائے۔سوچیے !کہ کبھی ہم کتنے خیر خواہ تھے دوسروں کے۔تبھی تو کافر ملکوں سے لوگ آتے تھے مسلمانوں کے پاس کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور ہمیں بھی یہ طریقہ زندگی سیکھادیں۔

کتنے ملک ایسے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کی فوج بعد میں پہنچی اور اسلام وہاں پہلے پہنچا۔خطوط آتے تھے مسلمانوں کی طرف کہ آپ آجائیے اور ہمیں اپنا طرز زندگی بتادیجیے۔ہم اس ظلم کی زندگی سے بے زار ہیں۔یوں اسلام پھیلا۔تو ہماری زندگی جب شریعت وسنت کے مطابق ہوگی تو ہم سراپا خیر بن جائیں گے۔اسی لیے فرمایا:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

''دین سراسر خیر خواہی ہے۔''

## جانوروں کی بھی خیر خواہی:

ہمارے حضرات تو جانوروں کی بھی خیر خواہی کرتے تھے۔حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے ایک رات تہجّد کی

نماز ادا کی۔سخت سردی تھی۔سائبیریا کی یخ ہوائیں،تاشقند کے رہنے والے تھے۔نماز کے بعد ٹھٹھرتے کانپتے آئے کہ لحاف میں جاؤں۔دیکھا کہ لحاف میں ایک بلی مزے سے سو رہی ہے۔انہوں نے بلی کو نہ اٹھایا اور ٹھٹھرتے ہوئے مصلے پر بیٹھ کر رات گزار دی۔اللہ اکبر!

ہمارے اسلاف جانوروں کی بھی خیر خواہی کرتے تھے اور ہم اللہ کے بندوں کی خیر خواہی نہیں کر سکتے!

## خیر خواہی جہنّم کے لیے آڑ:

خیر خواہی پروردگار کو اتنی اچھی لگتی ہے.....اتنی اچھی لگتی ہے کہ بنی اسرائیل کی زانیہ عورت اگر پیاسے کتے کو پانی پلا دیتی ہے اور کتے کی پیاس دور ہو جاتی ہے، اللہ رب العزت اس فاحشہ عورت کے سب گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔تو اگر ہم اللہ کے بندوں کو کھلائیں گے، پلائیں گے، پہنائیں گے، ان کا بھلا سوچیں گے۔ان کو دین سکھائیں گے تاکہ آخرت کا کھانا پینا مل جائے تو اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوں گے! ہم اگر اللہ کے بندوں کو جہنّم کی آگ سے بچائیں گے تو اللہ تعالیٰ کتنے خوش ہوں گے۔اسے کہتے ہیں خیر خواہی اور یہ خیر خواہی ہمیں کرنی ہے۔یہی مقصود زندگی ہے۔

ہم جہاں رہیں خیر کی علامت بن کر رہیں۔اچھے اخلاق اسی کو کہتے ہیں اور ایمان کا کمال اچھے اخلاق سے حاصل ہوتا ہے۔

## منہ گریباں پا فقیرا:

آپ کی خدمت میں ایک سبق آموز بات عرض کر کے مضمون کو سمیٹنے کوشش کرتے ہیں۔بچپن کی بات ہے کہ چھٹی یا ساتویں میں پڑھتے تھے۔عمر بھی کوئی بارہ تیرہ سال تھی۔یہ چھوٹی عمر ہوتی ہے، نادانی ناسمجھی کی عمر ہوتی ہے۔

ہمارے سکول میں ایک ساتھی تھا وہ دیہات سے آتا تھا۔ہم کبھی شہر سے باہر نکلے ہی نہیں تھے۔ہمیں یہ

تک نہیں پتہ تھا کہ گندم درخت پر لگتی ہے یا کسی پودے پر لگتی ہے۔ وہ دیہاتی ساتھی ہمیں جو بات بتاتا ہمارے لیے نئی ہوتی تھی۔

ایک دن اس نے تجویز پیش کی کہ بھئی گرمی کی چھٹیاں آنے والی ہیں۔ آپ ہمارے ہاں مہمان بنیں، ہم آپ کو دیہات کی سیر کروائیں گے۔ ہم نے گھر آ کر بیان کیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم اچھے بچے ہو، شوق سے پڑھتے ہو، کہنا مانتے ہو۔ میں تمہیں بھائی کے ساتھ بھیجوں گی، وہ تمہیں لے کر جائیں گے اور ایک دو دن وہیں تمہارے ساتھ رہیں گے اور ساتھ لے کر آئیں گے، اکیلے نہیں جانا۔ ہم نے کہا بہت اچھا! چنانچہ بڑے بھائی جان کے ساتھ وہاں گئے اور دو دن رہے۔ ہم نے خوب وہاں قریب قریب کھیتوں کی سیر کی۔ نئی دنیا دیکھی۔ یہ تو تھا Back ground (پس منظر)۔

اصل بات یہ بتانی تھی کہ ہم کھیتوں کی سیر کرتے پھر رہے تھے۔ ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ گائے بھینس کا گوبر جمع کیا ہوا ہے۔ گوبر کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ ہم شہر میں رہنے والے تھے، جب پہلی مرتبہ نجاست کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا تو حیران ہو گئے۔ ہم نے کہا، عجیب بات ہے! یہاں نجاست کا ڈھیر لگا کر رکھتے ہیں، اتنی بو آتی ہے۔ ہم آگے گزر گئے۔ جب کھیتوں کی سیر کر کے واپس آ رہے تھے تو کیا دیکھا کہ ایک دیہاتی بندہ اس گوبر کو زمین میں ملا رہا تھا۔ اب تو ہمیں اور زیادہ حیرانی ہوئی۔ ہم نے ساتھی سے پوچھا کہ بھئی! یہ نجاست ہے، گندگی ہے، بدبو آتی ہے اور یہ اس کو زمین میں ملائے جا رہا ہے! ساتھی نے کہا کہ اسی سے پوچھو۔ ہم نے اس کسان سے پوچھا کہ چچا جان! یہ بدبودار چیز کیوں ساری زمین میں ملا رہے ہیں؟ وہ آگے سے ہنسا اور کہنے لگا، بچہ! تم شہری ہو، تمہیں پتہ نہیں ہے۔ یہ ہے تو نجاست، لیکن ہمارے تو بڑے کام کی چیز ہے۔ ہم اس گوبر کو اکٹھا کر کے رکھتے ہیں اور جب زمین میں کوئی فصل بونی ہوتی ہے تو پہلے اس گوبر کو زمین میں ملا دیتے ہیں۔ اب یہ سن کر تو ہم اور حیران ہو گئے۔ اچھا! اس نجاست کو اس زمین

میں ملا دیتے ہیں، جس میں فصل بونی ہوتی ہے؟ اس نے کہا: بچہ! حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے تو نجاست لیکن جس کھیت میں اس کو ملا دیں، یہ وہاں کھاد کا کام کرتی ہے۔ اس کھیت کی کھیتی بڑی اچھی ہو جاتی ہے اور اس میں فصل زیادہ ہوتی ہے۔

اس وقت تو ہماری سمجھ میں بات نہ آئی۔ ہم حیران ہو کر چل پڑے کہ یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے! لیکن اب بات سمجھ میں آئی ہے۔ اب سوچتے ہیں کہ اے انسان! جس چیز کو ہم نجاست کہتے ہیں، گندگی کہتے ہیں، جس میں بد بو ہوتی ہے۔ قریب سے گزرنا گوارہ نہیں کرتے۔ جوتے پر لگ جائے تو گھن آتی ہے، اسے اتار دیتے ہیں، نفرت کرتے ہیں، ارے اس نجاست کو اگر کھیت میں ڈال دیتے ہیں تو وہ کھیتی کو فائدہ دیتی ہے، کھیتی اچھی ہو جاتی ہے مگر تو انسان ہو کر، اشرف المخلوقات ہو کر اپنے ساتھ رہنے والے دوسرے انسانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا؟ معلوم ہوا کہ تجھ سے تو پھر وہ نجاست اچھی ہے جو اپنے ساتھی کو فائدہ دیتی ہے۔ تو اس گندگی سے بھی گیا گزرا ہے۔

واقعی بات ٹھیک ہے کہ ہم اگر اپنے ساتھ رہنے والوں کو دکھ دیں، ان کا دل دکھائیں اور ان کی دل آزاری اور بدخواہی کے درپے ہوں تو پھر یقیناً یہ گوبر اور نجاست ہم سے اچھی ہوئی کہ جو کھیتی کے ساتھ لگ کر اس کو فائدہ دیتی ہے۔ ہم ساتھ رہنے والے ساتھی کو فائدہ نہیں دے سکتے۔ پھر ہم نجاست سے بھی گئے گزرے، اور گندگی سے بھی گندے ہیں۔

## راحتِ جاں یا وبالِ جاں:

اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنا تا کہ اللہ کے بندوں کے لیے راحتِ جاں بن کر رہیں، مگر ہم تو وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ تو اچھے اخلاق ہم اپنے اندر پیدا کریں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور اپنے اوپر محنت کریں۔ پھر دیکھیے، اللہ رب العزت کی کیسے رحمت آتی ہے۔ اصول یہی سمجھ لیں

کہ اگر کوئی ہم سے برائی بھی کر جائے ،لیکن ہم نے اس سے برائی نہیں کرنی۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! فلاں آدمی میری بد خواہی کرتا ہے۔ مجھے زچ کرتا ہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے۔ میرا بھی صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس سے ٹکا کر بدلہ لوں (کوئی ہم جیسا پہنچ گیا ہو گا نا!)۔ حضرت! بس مجھے اجازت دے دیں ، میں ذرا اس کے ساتھ نمٹ لوں۔ حضرت نے اس کو بلایا۔ اللہ والوں کی باتیں بڑی پیاری ہوتی ہیں۔ حضرت نے بڑے پیار سے ایک بات سمجھائی۔ وہ بات سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ بھی اس بات کو یاد کر لیجیے، زندگی میں کام آئے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا:

''اے دوست !اگر کوئی تیرے راستے میں کانٹے بچھائے تو آپ اس کے راستے میں کانٹے نہ بچھانا، ورنہ ساری دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔''

اللہ رب العزت ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور ہم اچھے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ہم نیکی کو اپنانے کی کوشش کریں تا کہ ہم دوسروں کے لیے سراپا خیر بن جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ